الرد على المتعصب العنيد — المانع من ذم يزيد

# یزید کی شخصیت

## علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

عربی تصنیف

الامام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب نور اللہ مرقدہ

مترجم

مفتی شعیب احمد

بسعی و اہتمام

میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی

Scanned with CamScanner

الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد

# یزید کی شخصیت

## علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

عربی تصنیف

الامام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ

مترجم

مفتی شعیب احمد

بسعی و اہتمام

میاں رضوان نفیس

شاہ نفیس اکادمی

نام کتاب:.....یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی نظر میں
مصنف:.....الامام ابوالفرج عبدالرحمن ابن جوزی رحمہ اللہ
مترجم:.....مولانا مفتی شعیب احمد
بسعی واہتمام:.....میاں رضوان نفیس
طبعِ اوّل:.....شوال المکرم ۱۴۳۳ھ / اگست ۲۰۱۳ء
طبعِ دوم:.....ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ / دسمبر ۲۰۲۰ء
تعداد:.....۱۰۰۰
ٹائٹل:.....جمیل حسن، تلمیذِ رشید حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ
ناشر:.....شاہ نفیس اکیڈمی (میاں رضوان نفیس)
رابطہ نمبر:.....۰۳۰۰-۴۱۸۳۷۰۹ ۰۳۲۱-۹۴۴۸۴۴۲
پرنٹر:.....نفیس بک بائنڈر

## ملنے کے پتے

- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- مکتبہ قاسمیہ، ۱۷/ الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- نفیس قرآن کمپنی، مکہ سینٹر، اردو بازار، لاہور

# آئینہ مضامین


عرضِ مترجم ..... ۷

عرضِ دوم ..... ۱۰

حرفِ رضوان ..... ۱۱

عرضِ مزید ..... ۱۸

تنبیہ ..... ۱۹

مقدمہ (حضرت ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب رحمہ اللہ) ..... ۲۱

۱۔ یزید کے زمانے سے متعلق احادیث: ..... ۲۲

۲۔ یزید کے ظالم گورنروں کو مقرر کرنے سے متعلق احادیث: ..... ۲۴

۲۔ کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا۔ جس کے جرائم یہ ہیں: ..... ۲۶

۱:۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بد تمیزی: ..... ۲۶

۲:۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑانا: ..... ۲۷

۳:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کی بے حرمتی: ..... ۲۸

۳:۔ یزید کی حرمین پر لشکر کشی: ..... ۲۹

۱۔ وقعہ حرہ: ..... ۲۹

۲:۔ خانہ کعبہ پر گولہ باری: ..... ۳۰

حاصل بحث: ..... ۳۰

یزید پر لعنت: ..... ۳۱

تنبیہ: ..... ۳۵

آخری بات: ..... ۳۶

مقدّمہ ..... ۳۷
تعارف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ..... ۳۸
کچھ دیر مصنف کے حضور ..... ۳۸
نام ونسب: ..... ۳۸
نسبت: ..... ۳۹
تاریخ پیدائش: ..... ۴۰
ابتدائی حالات اور تحصیل علم: ..... ۴۲
مقدار سے معیار تک: ..... ۴۴
اساتذہ کرام: ..... ۴۶
فراغت اور افادہ خلق: ..... ۴۷
عملی زندگی کے دو پہلو: ..... ۴۹
وعظ ونصیحت: ..... ۴۹
مجالس وعظ کے شرکاء: ..... ۵۱
علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اور زہد وتصوف: ..... ۵۳
تالیفات: ..... ۵۹
تصانیف کی تعداد: ..... ۶۲
تدریسی زندگی: ..... ۶۳
تلامذہ: ..... ۶۵
درسِ قرآن کا دستور: ..... ۶۵
حلیہ وشمائل: ..... ۶۶
نظر بندی کے مصائب: ..... ۶۷
وفات اور تدفین: ..... ۷۱

کچھ کتاب کی نسبت سے ..... ۷۳
استنادی حیثیت: ..... ۷۳
زمانۂ تالیف: ..... ۷۴
سبب تالیف: ..... ۷۴
"فضائل یزید" علماء کی نظر میں: ..... ۷۵
عبد المغیث حنبلی کا علمی مقام: ..... ۷۶
خطبہ کتاب ..... ۸۰
زیرِ نظر تحریر کا پس منظر ..... ۸۰
عبد المغیث حنبلی کا علمی پایہ ..... ۸۲
علمِ حدیث سے تہی دامنی ..... ۸۳
صفاتِ باری تعالیٰ میں غلو ..... ۸۴
علمِ فقہ میں بے بضاعتی ..... ۸۵
ایک محدث کا علمی لطیفہ ..... ۸۶
بے ادب بے نصیب ..... ۸۷
بے عقلی کا مظاہرہ ..... ۸۹
آمدم بر سرِ مطلب ..... ۹۰
لعنتِ یزید کا مسئلہ ..... ۹۰
امام احمد رحمہ اللہ اور مذمتِ یزید ..... ۹۱
احادیث سے لعنت کا جواز ..... ۹۴
زیرِ نظر رسالے کی ترتیب ..... ۹۶
یزید کی جانشینی کی مہم ..... ۹۷
یزید کی ولی عہدی اور نصائح ..... ۹۸
یزید کی تخت نشینی اور بیعت کا مطالبہ ..... ۹۹

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی ..... ۱۰۰
میدانِ کارزار میں ..... ۱۰۲
نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی المناک شہادت ..... ۱۰۵
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ ..... ۱۰۹
اشعار کا پس منظر: ..... ۱۱۴
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ دربارِ یزید میں: ..... ۱۱۵
اہلِ خانہ کی مدینہ منورہ آمد: ..... ۱۱۶
یزید کی بدنیتی اور ڈھٹائی: ..... ۱۱۸
اہلِ مدینہ کی یزید سے براءت ..... ۱۱۹
حرّہ کا دلخراش واقعہ ..... ۱۲۱
اہلِ مدینہ کی بابت احادیثِ نبوی ..... ۱۲۳
عبد المغیث کی بات پر تبصرہ ..... ۱۲۴
حرمِ مکی پہ سنگ باری ..... ۱۲۵
حمایتِ یزید میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ ..... ۱۲۶
امام احمد رحمہ اللہ پر اعتراض ..... ۱۲۷
حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے استدلال ..... ۱۳۰
امام احمد رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال ..... ۱۳۱
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی سے یزید کے حق میں استدلال: ..... ۱۳۲
ولایتِ یزید کے تحقق کا مسئلہ: ..... ۱۳۶
نظامِ زندگی کے لیے حکمران کی ضرورت: ..... ۱۳۸
امارتِ یزید کی شرعی حیثیت ..... ۱۴۱
ظالم حکمران کی اطاعت کا مسئلہ: ..... ۱۴۲
حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا طرزِ حکومت: ..... ۱۴۵

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خارجیت: ..... ۱۵۰
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے یزید کی رعایت: ..... ۱۵۱
یزید کی سخاوت کا سہارا: ..... ۱۵۲
یزید کے قرنِ ثانی میں ہونے سے استدلال: ..... ۱۵۳
یزید اور تلاوتِ قرآن: ..... ۱۵۴
دعائے خاتمہ: ..... ۱۵۴
اختتام ترجمہ: ..... ۱۵۵
الرَّدُّ علَى المُتَعَصِّبِ العَنِيْدِالمَانِعِ مِنْ ذَمِّ يَزِيْد (عربی متن کتاب) ..... ۱۵۷

# انتساب

اس ہستی کے نام جس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اور دل میں مچلنے والی نسبت اس گنبدِ خضریٰ (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے جڑی ہوئی ہے جو نہ صرف فرشیوں بلکہ عرشیوں کی بھی عقیدتوں اور محبتوں کا مدار و محور ہے۔

میری مراد ہیں

قطبُ الاقطاب

## حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ

کہ جن کی نگاہِ کامل سے ان گنت بنجر دلوں میں شادابی آئی اور بے شمار چٹیل دماغوں میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جڑی ایک ایک چیز کے بارے میں عقیدت و محبت کے دریا ٹھاٹھیں مارنے لگے۔

# عرضِ مترجم

## (طبع اول)

مشہور ہے کہ رزق آدمی کو یوں ڈھونڈتا ہے جیسے موت اس کی تلاش میں رہتی ہے۔ رزق سے مراد صرف ماکولات و مشروبات، اور مال و دولت ہی نہیں، بلکہ اس میں انسان کی سعادت و خوش بختی کے مواقع اور ذرائع بھی ہیں۔ اور وہ بھی انسان کو ڈھونڈتے رہتے بلکہ ڈھونڈ کر رہتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو یوں معلوم پڑتا ہے کہ انسان کی حالت گویا یوں ہے: أقوام يقادون إلى الجنة بالسلاسل.

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جنہیں بیڑیاں ڈال کر جنت میں لے جایا جائے گا۔ یعنی گویا سعادت اپنے زورِ بازو پر ان لوگوں کو خواہی نخواہی مل کر رہے گی۔ بیڑیاں ڈالا ہوا آدمی ظاہر ہے جاہی کہاں سکتا ہے؟

یہ تمہید دراصل تعبیر و تصویر ہے اس حقیر سی کاوش کی، کہ لینے والے نے کام لے لیا ہے اور کام مکمل ہو گیا ہے۔ یعنی بحمد اللہ! محدثِ جلیل مورخِ عظیم علامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ کے ایک 'بقامتِ کہتر و بقیمتِ بہتر' کے مصداق رسالے کا ترجمہ مکمل ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ کام اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے اتنا زیادہ نہ تھا، لیکن کچھ عملی اور کچھ ذہنی مصروفیات یا طبعی کسل مندی کی وجہ سے تاخیر ہوئی، تاہم پھر بھی دس دن میں ترجمے کی تسوید سے بحمد اللہ فراغت ہو ہی گئی۔ لیکن اس کے بعد کتابت، تصحیح، اور مقدمہ نگاری وغیرہ کے عوائق بات کو آج تک پہ لے آئے۔ اب ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ترجمے میں چند باتوں

کا خیال رکھا گیا ہے۔

- ترجمے میں کوشش رہی ہے کہ سلیس اور رواں ہو۔ اس سلسلے میں کچھ چیزوں کا تمہیداً یا تفریعاً اضافہ بھی ناگزیر تھا، چنانچہ کیا گیا، تاہم ایسے اضافوں کو متن سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن عبارت کے تسلسل کی وجہ سے خلل محسوس نہیں ہوتا، بلکہ اضافے اصل کتاب کا حصہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔
- اصل کتاب میں صرف فصلیں تھیں، عنوانات نہیں تھے، یہ اضافہ بھی ترجمے کا ہی حصہ ہے۔
- علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اگر کوئی بات کسی کتاب سے نقل کی ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور اگر اپنے ذریعے اور روایت سے نقل کی ہے تو اس کی مکمل سند بیان کی ہے۔ لیکن اردو قاری کی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر سند کو ترجمے میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ تحقیق کے لیے اصل کتاب موجود ہے۔
- مصنف کا تعارف مختصر لکھنے کا ارادہ تھا لیکن بات سے بات نکلتی رہی اس لیے کام قدرے طول پکڑ گیا ہے۔ بے جا سمع خراشی پر پیشگی معذرت۔
- نفس مضمون سے اختلاف یا اس پر اشکال کی بات ہو تو اس کے تو خود مصنف ذمہ دار ہیں، البتہ ترجمہ کرنے یا ان کی بات کو تعبیر کرنے کے حوالے سے کوئی سقم ہو تو اس پر پیشگی شکریے کے ساتھ توجہ دلانے کی التماس ہے۔
- کتاب کے مقدمے کی تیاری میں اصل کتاب کے محقق کی معلومات اور حوالہ جات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح دورانِ ترجمہ بھی حاشیے سے مدد لی گئی ہے۔ جسے نمایاں کر دیا گیا ہے۔

حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ (اب رحمہ اللہ) (خلیفہ مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ) کے حوالے سے دل ودماغ جذباتِ تشکر سے اس قدر لبریز ہے کہ جس کی تعبیر کو موزوں پیرایہ اظہار میسر نہیں۔ حضرت نے غایتِ شفقت اور ذرہ نوازی سے کتاب کے اصل موضوعِ بحث سے متعلق اپنی مدلل رائے بطور مقدمہ مرحمت فرمائی۔ جزاہ اللہ عنا أحسن ما جزی محسناً عن إحسانه.

آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی اخلاقی فرض بنتا ہے جن کی تحریک و تحریض یا علمی تعاون کسی بھی طور اس کاوش میں شریک رہا۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے خادم اور ہمارے مخدوم جناب رضوان نفیس صاحب مدظلہ، اور ہمارے دوست سید رضا علی جعفری صاحب، مفتی عبد الرحمن نذر صاحب، مفتی ضیاء الرحمن صاحب اور مفتی طلحہ جواد صاحب وغیرہم۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس حقیر سی کاوش کو قبول فرما کر اسے راقم کے لیے ذخیرہ آخرت اور خاتمہ بالخیر کا ذریعہ بنائیں۔ آمین، وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

شعیب احمد

جامعہ دار التقوی۔ چوبرجی پارک، لاہور

قریباً من نصف لیلة النصف من شعبان ١٤٣٣ھ

# عرضِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اب سے تقریباً نو سال پہلے اللہ رب العزت نے زیرِ نظر کتاب کے ترجمے کی سعادت عطا فرمائی تھی۔ کتاب کو توقع سے بڑھ کر مقبولیت حاصل ہوئی۔ فللہ الحمد۔ ایڈیشن ختم ہو گیا مگر طلب قائم رہی۔

مخدوم و مکرم جناب محترم میاں رضوان نفیس صاحب مد ظلہم نے اس طباعت کا اہتمام فرمایا تھا اب بھی وہی اس کی دوسری طبع کی سعی فرما رہے ہیں۔ نظر ثانی کا حکم ہوا تو نظر ثانی کر لی گئی۔ لفظی اغلاط کی تصحیح اور معمولی سے حذف و اضافوں کے علاوہ کوئی قابلِ شمار بڑی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

طبع دوم میں پرانے احباب کے علاوہ حضرت مفتی رفیق صاحب اور عزیزم مفتی صہیب ظفر صاحب اور مفتی ضیاء الرحمن صاحب کا خصوصی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازیں۔ اور ہماری نیتوں کو خالص اور اعمال کو مقبول اور فوائد و ثمرات کو عام و تام فرمائیں۔ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيزٍ.

شعیب احمد

○ دار الافتاء والتحقیق، جامعہ دار التقویٰ، لاہور

○ خطیب جامع مسجد چوبرجی کوارٹر، لاہور

۲۶ صفر الخیر ۱۴۴۲ھ

# حرفِ رضوان

بِسمِ اللہ الرّحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبي بعدہ

ہمارے پیر و مرشد امام العاشقین، قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مرکز محبت ووفا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ محبت کا طریقہ بھی خود ہی تعلیم فرما دیا ہے، ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین.

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" (صحیح بخاری و مسلم)

جب قاعدہ اور دستور یہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز بھی محبوب ہوتی ہے، پھر جس چیز کو خود محبوب بھی محبوب بتائے اس کو تو لاریب محبوب ترین ہونا چاہیے۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے ان کے متعلق تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"حسن اور حسین میری دنیا کی بہار ہیں"

اس لیے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں ان کے دشمن کو فضیلت دینا بہت بڑی گمراہی اور بد نصیبی ہے۔ اور پھر یزید جیسا شخص جس کے فاسق و فاجر ہونے پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے، اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حق پر سمجھا جائے اور اس کی حمایت میں ہر ضابطے کو پامال کر دیا جائے یہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے اپنے لیے بھی اور اپنے ماننے والوں کے لیے بھی۔

اور جو کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) باطل اور خاطئی سمجھے اور یزید کو برحق سمجھے، اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے تو اللہ پاک نے قرآن مجید میں واضح طور پر فرمادیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا. (سورۃ الاحزاب: آیت:۵۷)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور انکے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

کسی بھی آدمی پر اس کے گھر کی گواہی بہت بڑی حجت ہوتی ہے۔ یزید کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید نے جو تاریخ ساز خطبہ دیا وہ دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کا ہے جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے اصل حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے۔ حضرت معاویہ رحمہ اللہ بن یزید کہتے ہیں:

"میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری

لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ) اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام۔" (الصواعق المحرقۃ: ۴۳۱، مطبوعہ مصر)

یہ بیٹے کی گواہی ہے اپنے باپ کے بارے میں۔

اور یزید کے خاص الخاص شریک کار، اس کے عراق کے چیف آف آرمی سٹاف، اس کے برادرِ عم (بشرطیکہ استلحاق زیاد صحیح ہو) عبید اللہ بن زیاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام اہل السنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بسند ذیل نقل فرمایا ہے:

"یزید نے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو، تو ابن زیاد نے کہا کہ میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دونوں برائیاں اپنے نامۂ اعمال میں کبھی جمع نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکا، اب خانہ کعبہ پر بھی چڑھائی کر دوں" (تاریخ طبری: ۲/ ۴۸۳-۴۸۴)

اب یزیدی حضرات ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ بیٹا کیا کہتا ہے اور اُس کا آرمی چیف کیا کہتا ہے؟ اور یہ بیٹے سے اور آرمی چیف سے زیادہ یزید کے وفادار کیا کہتے ہیں؟ جن کو نہ اپنے انجام کی فکر نہ اپنے پیروکاروں کی، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بات پر بڑے درد کے ساتھ لکھتے ہیں جو اختصار کے ساتھ پیشِ قارئین ہے:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

المرء مع من أحب.

انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے اسے محبت ہو گی۔
جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو
پسند نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ
ہو۔" (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۴/۴۸۴)

قارئین کرام! یزید اس قابل ہرگز نہ تھا کہ اس پر اپنی توانائیاں صرف کی جائیں اور اس پر بحث کر کے اپنا وقت ضائع کیا جائے، لیکن کیا کیا جائے اس فتنہ پردازی کا جس کی اساس سراسر دھوکہ دہی اور دجل پر ہے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے، اس سے سادہ لوح مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے یہ خدمت انجام دینا بھی ضروری ہے۔

بزیر دلق ملمع کمند ہا دارند
دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

(دِکھاوے کے چمکدار خرقہ کے نیچے (سادہ لوح اَفراد کو پھنسانے کے
لیے) پھندے رکھتے ہیں، ذرا ان کوتاہ آستینوں کی دراز دستیاں (ظلم
وستم) تو دیکھو)۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو غلط اور یزید کو حق پر سمجھنا اور اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانا، دجل کی ناصبی ٹیکسال پر اُس کے لیے جھوٹی روایات گھڑنا اور اس کے ظلم وستم، بدکرداری اور فسق وفجور کے متعلق صحیح روایات کو توڑ موڑ کر اسے نیک وپارسا ثابت کرنا یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے، ہر فتنہ کی طرح اس فتنہ سے بھی لوگوں آگاہ کرنے اور ان کا ایمان بچانے کی کوشش کی ذمہ داری ہر دور کے علماء حق اور ان کے پیروکار حضرات پر آتی رہی ہے جس کو ان حضرات نے اور ان کی نیابت میں علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہم نے کما حقہ ادا کیا ہے۔ ہمارے حضرت سید نفیس

الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ جو اکابر علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہم کے سلسلۃ الذہب کی نمایاں کڑی ہیں، انہوں نے بھی تادم آخر اس خدمت کا حق ادا کیا، جو حضرت رحمہ اللہ کی امتیازی شان اور سب سے نمایاں وصف تھا۔ اللہ پاک ہمارے سب اکابر کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور ہمیں ہمارے بزرگوں کے ساتھ محشور فرمائے (آمین)۔

خدائے بالا بزرگ وبرتر کی شان دیکھیے کہ جب بھی کوئی ایسا عقیدہ لے کر میدان میں نکلا کہ جو لوگوں کی گمراہی کا باعث بنا تو اللہ جل جلالہ نے اسی زمانے کی مقتدر شخصیت کو لوگوں کی رہنمائی کے لیے کھڑا کر دیا۔ انہی یگانۂ روزگار شخصیات میں سے ایک علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذات بابرکات ہے جن کا نام ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے جنہیں قدرت نے بے شمار خوبیوں کا مرقع بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ایک ایسی ہی تصنیف جو کہ یزید کی بے جا حمایت میں لکھی گئی تھی اس کا ایسا شافی جواب تحریر فرمایا جو تقریباً ساڑھے آٹھ سو (۸۵۰) سال سے یزید کے حمایتیوں کے پھیلائے ہوئے زہر کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے کم یاب چلی آرہی تھی اور چیدہ چیدہ اَفراد کے پاس اس کے نسخے موجود تھے۔ ہمارے اکابر نے اس کتاب کے حوالے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اکثر دیے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ہم نے حضرت رحمہ اللہ کے نام مبارک پر " شاہ نفیس رحمہ اللہ اکادمی " کے تحت حضرت رحمہ اللہ کی خواہش، تربیت اور حکم کے مطابق کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو اور دوسری بہت سی کتابیں جو حضرت رحمہ اللہ شائع کرنا چاہتے تھے، ان کی تلاش وجستجو کے ساتھ ساتھ ہم اس کتاب کے بھی طالب تھے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مخلص عالم دین

جناب قاری ظہور احمد زید مدظلہ کے کتب خانہ سے ہمیں یہ گوہر مقصود ہاتھ آیا اس سفر میں ہمارے مخلص بے ریا جناب مفتی سید رضا علی جعفری زیدہ مجدہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اب اس کے کتاب کے ترجمہ کا خیال شدت سے دل میں پیدا ہوا۔ اس کا اظہار ہم نے مفتی رضا صاحب سے بھی کر دیا۔ اگلے دن شام کو مفتی صاحب جو دوبارہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ اُن کے ہم جماعت مفتی شعیب احمد صاحب زید محاسنہ بھی تھے، جو کہ دار العلوم کراچی کے فاضل اور آج کل لاہور میں ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم (اب رحمہ اللہ) کے دارالافتاء والتحقیق کے معین مفتی بھی ہیں ان سے باتوں باتوں میں اس کتاب کے ترجمہ کا ذکر چلا تو مفتی شعیب صاحب زید محاسنہ نے مجھ عاجز کی تڑپ کو دیکھ کر ترس فرمایا اور ترجمہ کی ہامی بھر لی۔ اسی دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کتاب کے بعض دیگر تراجم بھی دستیاب ہیں لیکن دیکھنے سے مایوسی ہوئی کیونکہ محض لفظی ترجمہ کیا گیا جبکہ یہ کتاب جیسا کہ مطالعہ سے ظاہر ہو گا کہ ایک مخصوص پسِ منظر میں لکھی گئی اور اس کے اصل مخاطب اہلِ علم حضرات ہیں۔ لیکن مذکورہ ترجمہ اُن خصوصیات سے عاری تھا جو ایک علمی اور تحقیقی کتاب کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی گوناں گوں علمی مصروفیات کے باوجود صرف دس (۱۰) دنوں کے اندر اندر نہ صرف عمدہ ترجمہ کر دیا بلکہ ایک وقیع علمی تحریر کا اضافہ بھی فرمایا جس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تعارف اور حالات کے علاوہ "تنبیہ" کے عنوان سے چند اہم اصولی باتیں بھی ذکر کر دیں، اس ترجمے کو اس "تنبیہ" کی روشنی میں ہی پڑھنا چاہیے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی جنم نہ لے۔

اس کتاب پر مقدمہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے انتہائی قابل اعتماد اور

جلیل القدر خلیفہ، ہمارے دور کی معروف علمی شخصیت ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ (اب رحمہ اللہ) نے تحریر فرمایا ہے جو کہ بذات خود ایک بہت بڑا اعزاز اور مجھ مسکین پر ان کا بہت بڑا احسان ہے، اللہ پاک ان کا صحت و تندرستی اور عافیت والا سایہ ہم پر تا دیر قائم ودائم رکھے (آمین) [افسوس کہ حضرت ۱۸ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ کو ہمیں داغِ مفارقت دے گئے اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے مخصوص مقاماتِ قرب سے نوازے۔ آمین]

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہم حضرت مولانا عبد الحفیظ، حضرت مولانا قاری علیم الدین شاکر، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، صاحبزادہ سید زید الحسینی، مفتی محمد عبد اللہ، مفتی سید رضا علی جعفری، مفتی عبد الرحمٰن نذر، مولانا احسن احمد عبد الشکور، مولانا سجاد الحجابی، مفتی ضیاء الرحمن، مولانا محمد عابد، محمد عرفان شجاع، محمد حماد اخلاق اجمیری، چوہدری منصور صادق، حافظ عرفان، میاں سعید، میاں نعیم صاحبان اور "حلقۂ اَحبابِ نفیس" کے تمام کرم فرماؤں کے تہہ دل سے مشکور ہیں جن کی سرپرستی میں یہ نادرِ روزگار کتاب تیار ہو کر منصۂ ظہور پہ آرہی ہے۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہماری اس عاجزانہ سعی کو اپنی باگاہ میں قبول فرمائے، اور آخرت میں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے (آمین یارب العالمین)۔

از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس

(ہم سے محبت اور خلوص کی سنو ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے)

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی قدس سرہ

احقر رضوان نفیس

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

# عرضِ مزید

جب یہ کتاب چھپ کر علمی حلقوں میں پھیلی تو بعض لوگوں نے بطور اعتراض یہ نکتہ اٹھایا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا کیا ہے؟ انہوں نے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بھی تنقید کی ہے۔ اگر انہوں نے یزید کی مذمت کر دی تو کیا ہوا!!

اگر ذرا انصاف سے کام لیا جائے تو یہ اعتراض بالکل ہی بے کار اور بودا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید اور یزید پر تنقید ایک ہی لب و لہجے میں ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید ایک علمی تنقید ہے جبکہ یزید پر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تنقید بلکہ لعنت اور اس سے بڑھ کر اُس کے ایمان تک کا معاملہ اور چیز ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ امام صاحب رحمہ اللہ پر کی گئی تنقید کو نہ صرف یہ کہ اہل علم نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کا جواب بھی دیا ہے۔ مگر یزید پر کی گئی تنقید کی اہل حق جمہور اہل سنت نے بہت واضح تائید کی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ یزید پر تنقید کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سراہا ہے، کیا امام صاحب رحمہ اللہ پر تنقید کو بھی امت میں ایسی قبولیت حاصل ہوئی ہے؟

جب ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر اس مغالطہ دہی کا کیا حاصل! اللہ ہم سب کو ہدایت اور اہل سنت کا مسلک حق شرح صدر کے ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

# تنبیہ

کتاب کے موضوع اور مواد کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیت، کردار، اور ان سے تعلق رکھنے والے اس دور کے امور کے حوالے سے جو معلومات ہم تک پہنچی ہیں، وہ دو ذرائع پر مشتمل ہیں۔

(۱) حدیث کی روایات

(۲) تاریخ کی روایات

حدیث کی روایات میں، دینی تقاضا اور مذہبی ذمہ داری سمجھتے ہوئے، تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کا معیار بہت بلند رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ان مسائل میں اس ذخیرے کو بنیادی اور اولین درجے کی اہمیت حاصل ہے۔ اہل سنت کے اصولی عقائد اس باب میں اسی پر مبنی ہیں۔ اس ذخیرے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تاثر سامنے آتا ہے اسے، یہ حضرات "اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُم عُدُوْلٌ" (یعنی صحابہ تمام کے تمام راست باز، صاف گو، انصاف پرست، اور اُجلے کردار کے مالک تھے) کے ضابطے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے متوازی دوسرا سلسلہ تاریخی روایات کا ہے، جس میں تحقیق و نقد کا وہ معیار نہیں۔ بلکہ وہ ہر طرح کی مثبت و منفی باتوں پر مشتمل ہے، نہ ہی یہ حد تواتر کو پہنچتا ہے۔ اس کی اجمالی حیثیت وہی ہے جو اسرائیلیات کی ہے کہ "لاتُصَدِّقُوهم ولا تُكَذِّبوهُم" چنانچہ ان روایات کو کسی نظریے یا عقیدے کی بنیاد بننے میں

بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اول الذکر علمی ذخیرے کے تابع رہیں گی۔ جہاں موافقت ہو گی انہیں تائیدی درجے میں لے لیا جائے گا، اور جہاں ناقابل تطبیق تعارض پیدا ہو گا، وہاں ترجیح روایاتِ حدیث کو حاصل ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے سامنے کوئی بھی نظریہ اور تحقیقی رائے قائم کرنے کے لیے اصل چیز حدیثی ذخیرہ ہے۔ تاریخی مواد ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی اہل سنت کا اصول اور اکابر کا طرز ہے۔ اور ہم بھی بحمد اللہ اسی اصول پر کاربند ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں زیر نظر کتاب کا تجزیہ یوں کیا جائے گا۔

کتاب کا اصل موضوع "یزید کی اہلیت اور اس کے مقام" کو واضح کرنا ہے۔

یزید کے بارے میں مذکورہ بالا تقسیم کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حدیثی ذخیرے کی رو سے ظالم اور فاسق حکمران تھا۔ (جس کی تفصیل مقدمہ میں مذکور ہے) اور تاریخی روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔ اس بناء پر اہل سنت والجماعت یزید کو بالاتفاق ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں۔

باقی کتاب میں ضمناً کچھ ایسی روایات بھی آئی ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہیں۔ یہ روایات خالصتاً تاریخی (اور اخبار آحاد) ہیں۔ جن کی حدیثی ذخیرے اور اس پر مبنی اہل سنت کے اصول کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں۔ لہذا ان روایات کو تاریخی حکایات ہی کا درجہ دینا چاہیے، کسی نظریے یا عقیدے کی ترجمانی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمارے اکابر اہل سنت خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے لے کر خاندان ولی اللہی سے ہوتے ہوئے علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہم تک سب حضرات کا یہی نظریہ اور اصول ہے۔ اور اکابر کے طرز میں ہی خیر ہے۔ اَلبَرَکَۃُ مَعَ أکابِرِکُمْ۔

# مقدمہ

## حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ حامداً و مصلیاً

یزید کے بارے میں اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ وہ فاسق تھا۔ لیکن تاریخ کی روایات میں اس کے بارے میں ایک تضاد سا بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اپنے دورِ حکومت میں یزید کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ والے اس کی بیعت کرنے کے باوجود اس کے بارے میں عدمِ اطمینان کا شکار ہیں تو اس نے ان کا ایک وفد اپنے پاس بلایا۔ اس وفد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی سے ایک صاحبزادے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بھی تھے۔ وفد کے واپس آنے کے بعد محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے لوگ یزید کی بیعت توڑنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ "مجھے تو یزید میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی" اس پر وفد کے دیگر لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کی وہ باتیں معلوم ہیں جو آپ کو معلوم نہیں۔ پھر مدینہ منورہ والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ (دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۸/۱۸۶)

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور مدینہ منورہ کے دیگر حضرات سب ہی کوئی چھوٹے لوگ نہ تھے اور نہ ہی جھوٹ بولنے اور اپنی جانب سے الزام گھڑنے والے تھے۔

یہ تو تاریخی روایات کے حوالے سے بات ہے، لیکن یزید کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں کچھ مواد موجود ہے، اور صحیح روایتوں سے اس کے کردار کی

خاصی تعیین ہوتی ہے۔اس لئے تاریخ کی کتابوں کے بجائے حدیث کی کتابوں میں مذکور قابل قبول روایتوں پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ کتبِ حدیث میں اس کے بارے میں وارد روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱)ایک تو وہ ہیں جن کا تعلق یزید کے بارے میں اس کے عہد وزمانہ سے ہے۔

(۲) دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق یزید کی طرف سے ظالم وجابر گورنروں کو مقرر کرنے سے ہے۔

ذیل میں ان دونوں قسم کی روایتوں کی تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

## ۱۔ یزید کے زمانے سے متعلق احادیث :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ.

(بخاری: حدیث نمبر: ۱۲۰)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف علم کے یاد کئے ہیں۔(یعنی دو قسم کا علم حاصل کیا ہے) ان میں سے ایک قسم (جو عقائد اور دین کے احکام پر مشتمل ہے اس کی تو میں نشر واشاعت کر چکا ہوں۔ رہا دوسرا علم (جو نالائق حکمرانوں کے ناموں اور حالات پر مشتمل ہے) اگر میں اس کی نشر واشاعت کروں تو (ان لوگوں کو اور ان کے متعلقین کو میری باتیں گوارا نہ ہوں گی اور وہ میرے سخت دشمن بن جائیں گے اور) میرا نرخرہ کاٹ دیا جائے گا۔(چونکہ وہ صرف آئندہ کی خبریں ہیں اور دین کی تعلیم سے ان کا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اشاعت مجھ پر فرض نہیں ہے اس لئے میں ان کو ذکر نہیں کرتا)۔

البتہ اشارہ کنایہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کا کچھ ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ یہ دعا مانگتے تھے:

أعوذ بالله من رأس الستين وأمارة الصبيان. (فتح الباری:۱/۲۱۶)

میں اللہ تعالی سے سن ساٹھ کے شروع ہونے (جب یزید کی حکومت قائم ہوئی) اور (بڑے صحابہ کے اعتبار سے بنو امیہ کے) لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں (جو یزید سے شروع ہوئی)۔

**فائدہ:**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی اور وہ یزید کے حکمران بننے سے ایک سال پہلے وفات پا گئے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے:

قالوا وما أمارة الصبيان؟ قال: إن أطعتموهم هلكتم وإن عصيتموهم أهلكوكم.

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر:۳۷۲۳۷)

حاضرین نے پوچھا لونڈوں کی حکومت کا کیا معنی؟ فرمایا: (ان کی صفت یہ ہوگی کہ) اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو (جائز ناجائز احکام ماننے کی وجہ سے تمہارا دین برباد ہوا اور دین کے اعتبار سے) تم ہلاک ہوئے اور اگر تم نے ان کی (بات نہ مانی اور) نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے (کہ یا تو جان سے مار دیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ کر دیں گے)۔

عن سعيد بن عمرو قال كنت جالساً مع أبي هُريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة ومعنا مروان قال أبو هريرة سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي

غلمة من قريش، فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال أبو هريرة: لو شئتُ أن أقول بني فلان وبني فلان فعلت. (بخاری: حدیث نمبر:۳۶۰۵)

حضرت سعید بن عمرو کہتے ہیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے صادق ومصدوق ذات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کی (خاص بربادی و) تباہی (اور فساد) قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اس پر مروان کی زبان سے نکلا خدا کی ان پر لعنت ہو۔ کیا آپ صرف لونڈے بتاتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (مزید) کہا اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔

## ۲۔ یزید کے ظالم گورنروں کو مقرر کرنے سے متعلق احادیث :

۱۔ مدینہ منورہ پر عمرو بن سعید کو گورنر مقرر کیا جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: كان متألّهاً متكبّراً (البدایہ:۸/۱۱۹) ترجمہ: (یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا)۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چونکہ یزید کی بیعت نہ کی تھی اور مکہ مکرمہ میں پناہ گزیں تھے اس لئے اس نے مدینہ منورہ آتے ہی ان کو گرفتار کرنے کے لیے حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔ حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے انہوں نے اس کو فہمائش کی:

عن أبي شريح أنه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة: ائذن لي يا أيها الأمير أحدثك قولاً

قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي حين تكلم به. حمدالله وأثنى عليه ثم قال: إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفک بها دماً ولا يعضد بها شجرة، فإن أحد ترخص لقتال رسو ل الله فيها فقولوا إن الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لكم، وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس وليبلغ الشاهد الغائب، فقيل لأبي شريح: ما قال لک عمرو؟ قال: قال أنا أعلم بذلک منک يا أبا شريح إن الحرم لا يعيذ عاصياً ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة. (بخاری: حدیث:۱۰۴)

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مکہ معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوجی دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا۔ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اس کو یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو بیان فرما رہے تھے میری دونوں آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں کسی کا خون بہائے اور وہ وہاں کا کوئی درخت بھی نہ کاٹے۔ پھر اگر کوئی شخص

رسول اللہ ﷺ کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس بات کی رخصت چاہے تو اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اسکی اجازت نہیں دی اور مجھے بھی دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو چاہیے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر ابو شریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے پھر آپ کو کیا جواب دیا؟ فرمایا اس نے کہا: "اے ابو شریح! میں اس بات کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں حرم (مکہ) نہ کسی عاصی (گناہگار) کو پناہ دیتا ہے (اس سے عمرو بن سعید کی مراد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے) اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں فرار ہو جائے"۔

**فائدہ:**

عمرو بن سعید کا یہ کہنا کہ میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کو عاصی و نافرمان کہنا اس کی بڑی ڈھٹائی اور سرکشی تھی اور مکہ مکرمہ پر لشکر کشی ایک علیحدہ جرم۔

## ۲۔ کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا۔ اس کے جرائم یہ ہیں:

### ۱:۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدتمیزی:

إن عائذ بن عمرو كان من أصحاب رسول الله ﷺ دخل على عبيد الله بن زياد فقال: أي بني! إني سمعت رسول الله ﷺ قال: إن شر الرعاء الحطمة، فإياك أن تكون

منهم، فقال له: اجلس فإنما أنت من نخالة أصحاب محمد ﷺ، فقال: وهل كانت لهم نخالة، إنما كانت النخالة بعدهم وفي غيرهم. (مسلم: حدیث: ۱۸۳۰)

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، (ایک مرتبہ) عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اور (نرمی سے سمجھانے کی خاطر) فرمایا: بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: حکمرانوں میں سے سب سے برا وہ ہے جو بے رحم ہو (اور لوگوں کو پیس ڈالے) تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہنا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو۔ یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا صحابہ میں بھی بھوسی تھی۔ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں اور ان میں ہے جو صحابی نہیں ہیں۔ (کیونکہ صحابہ تو سارے ہی خالص ہیں)

## ۲:۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑانا:

عبد السلام بن أبو حازم أبو طالوت قال: شهدت أبا برزة دخل على عبيد الله بن زياد .... قال: فلما رآه عبيد الله، قال: إن محمديكم هذا الدحداح، ففهمها الشيخ فقال: ماكنت أحسب أني أبقى في قوم يعيرونني بصحبة محمد ﷺ، فقال له عبيد الله: إن صحبة محمد لك زين غير شين. (ابوداود: ۴۷۵۱)

ابو طالوت عبد السلام بن ابو حازم کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس (اس کے بلانے پر) تشریف لائے۔ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر آپ پر پڑی کہنے

لگا: (لو یہ) تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا آگیا۔ حضرت (ابو برزہ رضی اللہ عنہ) اس کی بات سمجھ گئے (اور اس کے ٹھگنا موٹا کہنے پر توجہ نہ کی البتہ اس نے محمدی کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا اس پر آپ کو غصہ آگیا، کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کی اہانت نکلتی ہے۔ چنانچہ) فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ایسے لوگوں کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر عار دلائیں گے۔ اب عبید اللہ نے (بات بدل کر) ان سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے لئے زینت ہے باعث عیب نہیں ہے۔

## ۳:۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کی بے حرمتی:

عن أنس بن مالك قال: أتي عبيد الله بن زياد برأس الحسين فجعل في طست فجعل ينكت (وفي رواية الترمذي فجعل يقول بقضيب في أنفه) وقال في حسنه شيئاً (وفي لفظ الترمذي: ويقول: مارأيت مثل هذا حسناً لم يذكر)، فقال أنس: كان أشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم.

(بخاری: حدیث: ۳۵۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھا اتنے میں) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ وہ چھڑی سے اس کو چھیڑتا رہا (اور ناک میں چھڑی گھساتا رہا) اور اس نے آپ کے حسن کے بارے میں بدزبانی کی (یعنی یہ کہ میں نے تو ان کو ایسا حسین نہیں پایا پھر ان کے حسن کا کیوں چرچا ہے؟) اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

## ۳:۔ یزید کی حرمین پر لشکر کشی :

### ۱۔ وقعہ حرہ :

مدینہ منورہ سے باہر مشرقی جانب جو پتھریلا علاقہ ہے جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام "حرہ" کہلاتا ہے۔ اس مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی جو "جنگ حرہ" کہلاتی ہے۔ "جنگ حرہ" کا سبب یہ تھا کہ جب انصار مدینہ نے یزید کو بد کردار سمجھتے ہوئے اس کی بیعت توڑدی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک کثیر فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر بھیجا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا۔ اس مدت میں کسی کی جان ومال کو امان نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة فلم تبق من أصحاب الحديبية أحداً. (بخاری: حدیث: ۳۸۰۰)

پھر دوسرا فتنہ یعنی "جنگِ حرہ" جب واقع ہوئی تو اس جنگ نے اصحاب بیعت رضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فدخل مسلم بن عقبة المدينة وبها بقايا من الصحابة فأسرف في القتل. (طبرانی)

مسلم بن عقبہ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں قریش وانصار میں سے تین سو چھ معزز حضرات کے نام گنائے ہیں جن کو شامی فوج نے قتل کیا۔

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے:

لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثاً ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ. (سنن دارمی، حدیث:۹۳)

جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت ہوئی البتہ حضرت سعید بن مسیب (جو کہ بڑے تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے انہوں) نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (وہ وہیں چھپے رہے) اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے تھے۔

## ۲:۔ خانہ کعبہ پر گولہ باری:

مدینہ منورہ کے بعد یزید کے لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الٰہی کا محاصرہ کیا۔ سالار لشکر مسلم بن عقبہ تو رستے ہی میں مر گیا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی۔ منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت پر آگ لگ گئی۔

## حاصل بحث:

صرف مذکورہ بالا وجوہات کی بنیاد پر ہی یزید کا فسق اور اس کی بد کرداری واضح ہے کیونکہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أراد أهل المدينة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء. (مسلم: حدیث:۳۴۲۷)

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلا کر رکھ دیں گے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔

عن أبي هريرة قال نظر النبي ﷺ إلى علي والحسن والحسين وفاطمة فقال: أنا حرب لمن حاربكم وسلم لمن سالمكم. (مسند احمد: حدیث:۹۶۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور حسن اور حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے۔

## یزید پر لعنت :

اب اس کے بعد جن حضرات کو اس بات کی تحقیق ہوئی کہ یزید ان برائیوں سے راضی اور خوش تھا اور ان کو جائز بلکہ اچھا سمجھتا تھا اور حرام کو جائز یا اچھا سمجھنا کفر ہے اور چونکہ وہ توبہ کے بغیر مرا ہے لہذا یہ حضرات اس کو کافر اور لعنت کا مستحق سمجھتے ہیں اور جن حضرات کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہ ہوا وہ لوگ یزید کو فاسق تو کہتے ہیں البتہ لعنت نہیں کرتے۔ احتیاط لعنت نہ کرنے میں ہے کیونکہ اگر لعنت جائز ہے تو لعنت نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ لعنت کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے۔

## ایک اشکال :

ایک حدیث ہے:

قال النبي ﷺ: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم. (بخاری:۲۷۶۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے سب سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا وہ مغفور یعنی بخشا ہوا ہو گا۔

یزید اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یہ لوگ بلاد روم میں گھستے ہی چلے گئے یہاں تک کہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ یزید جب اس لشکر کا امیر تھا اور اس حدیث کے مطابق بخشا ہوا تھا تو اس پر فسق یا کفر کا الزام عائد کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

**جواب :**

۱۔ اس حدیث میں مذکور بشارت کا واقعی مصداق کون ہے؟ اس کی قطعی تحقیق نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مدینہ قیصر یعنی قیصر کے شہر کا ذکر ہے اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس زمانے میں قیصر کا دار السلطنت شام کا شہر حمص تھا۔ اب یہ پختہ بات نہیں کہ مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ اور حمص میں سے کون سا مراد ہو۔

۲۔ اگر قسطنطنیہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہاں مغفرت سے مراد صرف سابقہ گناہوں سے مغفرت ہو جیسا کہ عید کے اجتماع میں شریک ہونے والے روزہ داروں کے بارے میں حدیث میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ارجعوا قد غفرتُ لکم وبدلتُ سیئاتکم حسناتٍ، قال: فیرجعون مغفوراً لھم. (بیہقی، حدیث:۳۷۱۷)

ترجمہ: تم لوگ واپس لوٹو اس حال میں کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ فرمایا کہ پھر

لوگ بخشے بخشائے واپس گھروں کو لوٹتے ہیں۔

۳۔ اور اگر مغفرت سے مغفرت اولی یعنی اول وہلہ میں جنت میں داخلہ مراد ہو تو جاننا چاہئے کہ اس صورت میں دو باتیں ضروری ہیں:

i. ایسی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ آدمی میں مغفرت کی اہلیت وصلاحیت مرتے دم تک باقی رہے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

ii. اس کے معارض موجود نہ ہو جب کہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستة لعنتُهم ولعنهم الله ..... الزائد في كتاب الله والمكذب بقدر الله تعالىٰ والمتسلط بالجبروت فيعز بذلک من أذله الله ويذل من أعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتي ما حرم الله والتارک لسنتي.

(ترمذی۔ حدیث: ۲۱۵۴)

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے: (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنے والا۔ (۳) جبر وزور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اس کو اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنے والا۔ (٤) حرم الٰہی کی حرمت کو حلال سمجھنے (یعنی پامال کرنے) والا۔ (۵) میری اولاد کی حرمت پامال کرنے والا۔ (٦) میری سنت (اور میرے طریقوں) کو چھوڑنے والا۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعدله عذاباً عظيماً. (سورہ نساء: آیت: ۹۳)

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

یزید میں ان میں سے کچھ باتیں تو یقیناً پائی جاتی ہیں۔

۱۔ وہ دھونس، دباؤ اور جبر وزور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔

۲۔ مفسد اور شریر لوگ مثلاً عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعید، مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر اس کے نزدیک معزز و محترم تھے کہ ان کو اعلیٰ عہدے دیئے۔ اور یہ لوگ ایسے تھے جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ ان کا مذاق بنانا اور ان کی بات کو ڈھٹائی سے رد کرنا ان کے لئے آسان تھا۔ ظاہر ہے کہ یزید نے ایسے گورنروں کا انتخاب کیا تو خود اس کے اندر بھی ظلم و تکبر ہو گا تب ہی تو اس نے ایسوں کو منتخب کیا۔ اور ان گورنروں نے آگے ایسے لوگوں کو کمانڈر بنایا جو سخت مزاج اور سخت گیر لوگ تھے اور ان کو اس کا کچھ لحاظ نہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی حرمت پامال کر رہے ہیں، یا مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کا احترام تار تار کر رہے ہیں، یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ان کے ساتھ قافلہ میں شریک بچوں اور نہتوں کو بلاوجہ اور ظلم سے قتل کر رہے ہیں اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی توہین کر رہے ہیں۔

۳۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے تھے مسلم بن عقبہ جو کہ یزید کا مقرر کردہ کمانڈر تھا جنگِ حرہ کے بعد اس نے ان لوگوں سے زبردستی یزید کے لیے اس شرط پر بیعت کرائی کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے ان کو فروخت کرے چاہے ان کو آزاد کرے اور وہ ان کے اموال کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

۴۔ مدینہ منورہ میں سینکڑوں صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قتل کرایا جنگ میں بھی اور بعد میں گرفتار کر کے بھی اور غارتگری میں بھی یہ سب کچھ یزید کے کہنے پر ہوا۔

۵۔ مکہ مکرمہ پر حملہ اور خانہ کعبہ پر گولہ باری سب یزید ہی کے حکم سے ہوئی۔

ایسے ظالم لوگوں کو گورنر بنانا اور ان کے انتہائی ظلم وجور کو برداشت کرنا اور ان پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور حرمین کی حرمتوں کو پامال کرنے پر راضی رہنا بلکہ خود اس کی تلقین کرنا کیا اس کے بعد بھی یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اور کیا اسے ایسی بشارت کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے؟

غرض یزید اس بشارت کا مصداق نہیں بنتا اور اس کی بنیاد پر یزید کو نیک وصالح سمجھنا یا اس کو امیر المؤمنین کہنا یا اس سے بھی بڑھ کر اس کو خلیفہ راشد سمجھنا، یہ سب غلط اور گمراہی کی باتیں اور اہلسنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔

## تنبیہ:

اگر کسی عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی فاسق کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو اول وہلہ میں جنت میں داخل کر دیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کے اعتبار سے وہ فاسق نہ رہا مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔ کسی فاسق وبدکردار کی مکمل بخشش کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ وہ عورت نیک و پارسا بن گئی تھی۔ بخشش کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص اصلاح کر کے اپنے نیک اعمال کی بدولت ہی جنت میں جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بدکرداری میں مبتلا رہے اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی عمل کی وجہ سے آخرت میں بالکل ہی معاف فرمادیں۔

## آخری بات :

یہاں آخر میں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فسق یزید کے بارے میں تاریخ اور حدیث کی کتابوں سے دلائل کا ایک اچھا ذخیرہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی "یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں" نامی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ ہم نے مذکورہ بالا دلائل اس کے حدیث والے حصے سے اخذ کئے ہیں۔

جو کتاب اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کے مصنف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی دونوں طرح کی (یعنی حدیث اور تاریخ کی) روایتیں لی ہیں اور اہل سنت کے اس مؤقف کو کہ "یزید فاسق تھا" ثابت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ بعض تاریخی روایتوں میں مبالغہ ہو سکتا ہے، مثلاً یہ کہ وقعہ حرہ میں سات سو اشراف اور دس ہزار دیگر افراد قتل کئے گئے اور ایک ہزار عورتیں یزیدی فوجیوں کے زبردستی زنا سے حاملہ ہوئیں۔ لیکن یہ کہنا کہ کچھ ہوا ہی نہیں اور صرف ایک دو آدمی ہی قتل ہوئے یہ بھی انتہائی مبالغہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں تین سو چھ افراد کے باقاعدہ نام ذکر کئے ہیں جو اشراف میں سے تھے اور یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ عوام کا تو کچھ ذکر ہی نہیں نہ جانے کتنے شہید ہوئے۔!

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين.

عبدالواحد غفرلہ

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

# مقدّمہ

- حالاتِ مؤلف
- تذکرہ کتاب

# تعارف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ

## کچھ دیر مصنف کے حضور

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ان اسلامی شخصیات میں سے ہیں جنہیں اپنے کارناموں کی بدولت اللہ رب العزت نے دوام بخشا ہے۔ رہتی دنیا تک لوگ ان کی گوناگوں مقبول تصنیفات اور علمی تحقیقات سے مستفید ہوتے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نہ صرف اپنے دور بلکہ پوری اسلامی تاریخ کے بے مثال، زبردست جادوئی تاثیر کے حامل واعظ، فی البدیہہ خطیب، وسیع النظر عالم، بلند پایہ محدث، عظیم مفسر، فقیہ اور ادبی شخصیت کے حامل انسان تھے۔ علامہ رحمہ اللہ کے حالات وکمالات پر کچھ لکھنا یا ان کے مناقب اور ان کا علمی پایہ متعین کرنا ہم جیسوں کے لیے سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ البتہ جو چیزیں پہلے حضرات نے لکھی ہیں ان کو ذرا سلیس انداز سے اردو کے قالب میں ڈھالنا ہمارے بس میں ہے اس لیے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل حالات پیش خدمت ہیں جو "طبقات ابن رجب"، "سیر اعلام النبلاء"، "اعلام زرکلی" وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

## نام ونسب:

آپ کا نام عبدالرحمن، کنیت ابوالفرج اور لقب جمال الدین ہے۔ یعنی دین کی رونق اور خوبصورتی۔ آپ واقعتاً دین کی رونق اور وقار تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ

لقب محض رسمی لقب ہی نہیں بلکہ بجا طور پر حقیقت کی ترجمانی ہے۔ معلوم نہیں آپ کو یہ لقب کس نے دیا، تاہم جس نے بھی دیا بر محل دیا۔ آپ کی شخصیت آپ کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کارناموں سے یقیناً دین کا بول بالا اور سنت کا جھنڈا بلند ہوا۔

آپ صدیقی النسب ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب خلیفۂ اول، یارِ غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک یوں پہنچتا ہے:

عبد الرحمن بن ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن حمادی بن احمد بن محمد بن جعفر (الجوزی) بن عبد اللہ بن قاسم بن نصر بن قاسم بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن قاسم (فقیہ از فقہائے سبعہ) بن محمد بن ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

## نسبت:

آپ کی نسبتیں متعدد ہیں جیسے قریشی، تیمی بکری، بغدادی اور حنبلی۔ ان میں سے پہلی تین نسبتیں تو خاندانی ہیں، اور بعد کی نسبتوں میں سے "بغدادی" اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنے دور کے جنت نظیر شہر بغداد کے باشندے تھے، اور "حنبلی" اس وجہ سے ہے کہ آپ کا فقہی مذہب اور مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ والا تھا۔ ان نسبتوں کے علاوہ بلکہ آپ کے نام، کنیت اور لقب سے بھی بڑھ کر جو تعارف آپ کی پہچان بنا وہ "ابن الجوزی" ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کی شخصیت کا عنوان بن گیا۔

ابن الجوزی سے آپ کی شہرت کی وجہ کیا بنی؟ اس بارے میں تذکرہ نگار اس حد تک تو متفق اللسان ہیں کہ "جوزی" کا لفظ آپ کے سلسلہ نسب میں دسویں پشت پر موجود جد امجد جعفر کے نام کا حصہ تھا، اور آپ انہی کی وجہ سے

"ابن الجوزی" ہیں۔ لیکن یہ کہ خود ان کے نام کا یہ لفظ کیسے حصہ بنا؟ اس بارے میں اختلاف ہے:

- بعض کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک جگہ تھی جہاں نہر کے پانی کا دہانہ تھا اس کی وجہ سے اس علاقے کو جوزہ کہتے تھے۔ اور آپ اس کی طرف منسوب تھے۔
- علامہ منذری رحمہ اللہ کے بقول فرضتہ الجوز ایک جگہ کا نام ہے اور اسی کی نسبت سے آپ جوزی ہیں۔
- شیخ عبد الصمد بن ابو الجیش کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک محلہ تھا جو محلۃ الجوز کے نام سے معروف تھا۔ اس کی نسبت وجہ شہرت بنی۔
- کچھ اور حضرات کا خیال یہ ہے کہ جب یہ لوگ واسط میں رہتے تھے تو ان کے گھر میں اخروٹ (جس کو عربی میں جوز کہتے ہیں اس) کا درخت تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ پورے علاقے میں یہ درخت کہیں نہیں تھا، چنانچہ اچنبھا ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ آپ کی نسبت میں اسی شہرت کا دخل ہے۔

یہ ہیں آراء۔ لیکن ان آراء میں باہم بہت زیادہ تفاوت ہے، دوسری طرف ہمارے لئے معلومات کے ذرائع مفقود ہیں اس لیے ان میں باہم نہ تو تطبیق کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی ایک کی تغلیط اور دوسرے کی تصحیح کا دعویٰ۔ واللہ اعلم بالصواب

## تاریخ پیدائش:

اگر زمانے کو یہ معلوم ہو کہ پیدا ہونے والا کوئی بچہ کل کو معاشرے کے لئے کتنا اہم اور صاحب مقام ثابت ہو سکتا ہے، تب تو اس کے پیدائشی حالات اور واقعات کو ضبط کے ساتھ محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام ہو۔ مگر پیدا ہونے والے بچے

کے بارے میں کسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ستارہ اقبال کس کس بام عروج کو چھوئے گا، اور رفعت وعلو منزلت کے کون کون سے مقام طے کرے گا؟ اس لئے اسے جغرافیائی اعتبار سے عالمی اور زمانے کے اعتبار سے تاریخی سطح کا المیہ سمجھیے کہ بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہوئے عموماً آپ کو یہ جملہ پڑھنا یا سننا پڑتا ہے کہ:

"تاریخ پیدائش ضبط کے ساتھ معلوم نہ ہو سکی"

کچھ قیاسات اور تخمینے ہوتے ہیں، جن سے دنوں، ہفتوں یا مہینوں کی تعیین تو پھر بھی نہیں البتہ سال کی اکثر وبیشتر تحدید ہو جاتی ہے۔ ورنہ بعض اوقات سال بھی مجہول ہی رہ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تین، چار، پانچ سال کے تفاوت کا در آنا معمولی بات ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں اور بقول تذکرہ نگاراں:

"آپ کے سن پیدائش میں بھی اختلاف ہے، بعض کا قول ۵۰۸ھ کا ہے، اور بعض کا ۵۰۹ھ، اور بعض کا ۵۱۰ھ ہے۔"

یہ سارے تخمینے اور قیاسات ہیں، حقیقت معلوم نہیں، اور معلوم ہوتی بھی کیسے جب خود علامہ رحمہ اللہ کو اپنی تاریخ پیدائش بالتعیین معلوم نہیں۔ فرماتے ہیں:

"مجھے اپنی پیدائش کا سن ٹھیک سے معلوم نہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ والد صاحب کا انتقال ۵۱۴ھ کو ہوا تھا، اور والدہ کے بقول اس وقت میری عمر تقریباً تین برس تھی۔"

اس بناء پر آپ کا سن پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ بنتا ہے۔ اس کی تائید علامہ رحمہ اللہ کے ایک اور بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ جب میرے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا میں اس سال سن بلوغت کو پہنچا تھا۔ ابن زاغونی

رحمہ اللہ کا انتقال سن ۵۲۸ھ کا ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی پیدائش سن دس کے بعد قرار پائے گی۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب میں مصنف رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے ۵۲۸ھ میں کتاب لکھی۔ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی۔ اس لحاظ سے بھی آپ کا سن ولادت ۵۱۱ھ ہی قرار پاتا ہے۔

یہ سارے احتمالات اور قیل و قال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمیں سن پیدائش معلوم نہیں۔ بہر حال! اتنا کچھ کرنے کے باوجود بھی ہم وہی بات کر سکتے ہیں جو علامہ رحمہ اللہ نے خود کہی ہے:

لا أحقق مولدي

کہ مجھے اپنا سن ولادت تحقیقی طور سے معلوم نہیں

ہاں تخمینہ ہے البتہ تخمینے میں اقرب ۵۱۰ھ اور ۵۱۱ھ ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ سن ۵۱۰ یا گیارہ ہجری کو بغداد کے محلے درب حبیب میں پیدا ہوئے۔

## ابتدائی حالات اور تحصیل علم:

آپ کے والد بلکہ آپ کا پورا خاندان تانبے کی تجارت کرتا تھا، اسی وجہ سے آپ کو شروع شروع میں صفار (تانبے والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اور آپ کی بعض ابتدائی سندوں میں آپ کے نام کے ساتھ یہی لفظ لکھا ہوا ہے۔ بہر حال اس تجارت کی وجہ سے آپ کو خاصی فراخی اور معاشی فارغ البالی حاصل تھی۔ آپ کی یہ فراخی خوش نتیجہ رہی اور تحصیل علم میں آپ کی مدد و معاون ثابت ہوئی۔ فقر و فاقہ اور چہ خورد بامداد فرزندم کے سوال کے ہتھوڑوں کے نیچے بہت سے عمدہ دماغ اور اعلی صلاحیتیں پس کر جو ضائع ہو جاتی ہیں، آپ اس آفت سے

محفوظ رہے۔ آپ کے والد کا جیسا کہ پہلے گذرا آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس مرحلے پر آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ انہوں نے آپ کو اپنے دور کے مشہور عالم استاذ ابو الفضل بن ناصر رحمہ اللہ کے گویا حوالے کر دیا۔ ابو الفضل رحمہ اللہ اپنی مسجد میں اپنا حلقہ درس قائم کئے ہوئے تھے۔ استاذ نے بھی جوہر شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کی تعلیم پر خوب توجہ دی۔ پہلے خود اپنے پاس پڑھایا اور پھر جب آپ کا اشہب طلب مزید علم کا خواہاں ہوا تو خود استاذ صاحب آپ کو بغداد بھر کے اہل فضل و کمال کی مجالس میں اسی صغر سنی میں لے گئے۔ مصنف اپنے ایک مشیخہ [1] (استاذ نامہ) میں لکھتے ہیں:

حملني شيخنا ابن ناصر إلى الأشياخ في الصغر وأسمعني العوالي واثبت سماعاتي كلها بخطه وأخذ لي إجازات منهم.

ترجمہ: میرے استاذ ابو الفضل بن ناصر مجھے بچپن میں ہی بہت سے مشائخ اور اساتذہ کے پاس لے گئے، اور مجھے عالی سند روایات واحادیث سنوائیں، اور میری تمام مسموعات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور میرے لئے ان مشائخ سے اجازت حدیث حاصل کی۔

یہ عبارت استاذ کی جوہر شناسی، استاذ و شاگرد کے باہمی تعلق، اور علم کی حرص

---

۱۔ مشیخہ ایک نوع تالیف ہے، جس کو اردو میں "استاذ بیتی" یا "استاذ نامہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس کا تذکرہ عام طور سے محدثین کے ہاں ہی ملتا ہے۔ اس میں محدثین اپنے تمام اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ میں نے کس استاذ سے پڑھا کہاں پڑھا اور کیا پڑھا۔ اپنے اساتذہ کے حالات مزاج افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ ان سے سنی ہوئی روایات بھی اکثر و بیشتر اس تالیف کا حصہ ہوتی ہیں۔ (دیکھیے: معرفۃ المصطلحات والرموز عند المحدثین: عاطف عبد المعز الفیومی)۔ ش۔ا

وطلب کی بہترین مثال ہے۔

آپ کی اس تعلیم کی ابتداء کب ہوئی؟ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إن أول سماعاته سنة ست عشرة وخمس مأة.

ترجمہ: آپ کی تحصیل علم (حدیث) کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کو ہوئی۔

اس وقت تاریخ پیدائش کے اعتبار سے آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ آٹھ سال ورنہ پانچ سال تھی۔ علامہ رحمہ اللہ نے بچپن میں ہی قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تھا، لیکن کب کیا؟ اور کس استاذ سے کیا اس کا ذکر نہیں۔ البتہ اتنا ضرور لکھا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے قراء کے پاس آپ نے قرآن پڑھا۔ ان قراء کے پاس آپ نے قرأت نہیں پڑھی تھی کیونکہ وہ آپ نے اخیر عمر میں اپنے بیٹے کے ہمراہ واسط میں ابن باقلانی رحمہ اللہ کے پاس پڑھی تھی۔ ظاہر یہی ہے کہ ان اساتذہ سے آپ نے حفظ قرآن کے علاوہ تجوید، تصحیح مخارج اور ادائیگی کے حوالے سے استفادہ کیا ہو گا۔

## مقدار سے معیار تک:

استاذ ابو الفضل ابن ناصر رحمہ اللہ کا یہ احسان اپنی جگہ کہ انہوں نے علامہ رحمہ اللہ کو بچپن ہی میں بغداد کی علم نگری کا تعارف کروا دیا، اور ایک ایک قابل ذکر اور مشہور استاذ کے سامنے انہیں زانوئے تلمذ تہ کرایا۔ اس علمی سیاحت نے علامہ رحمہ اللہ کو پیش آمدہ زندگی میں وسعت تجربات کے حوالے کیا کچھ فائدہ نہ پہنچایا ہو گا۔ اس سب کچھ کے باوجود علامہ رحمہ اللہ کو اس طرز تحصیل سے اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے اسے محض استاذ گنتی قرار دیتے ہوئے اپنا بعد کا طرز طلب وتحصیل کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ بچپن میں تو مجھے استاذ صاحب جیسے جیسے اور

جہاں جہاں لئے پھرے میں مردہ بدست زندہ بن کر جاتا رہا اور ہر کس و ناکس کے پاس جاتا اور اونچی نیچی سب دکانوں کے پکوان چکھتا رہا، مگر:

فلما فهمت الطلب كنت ألازم من الشيوخ أعلمهم وأوثر من أرباب النقل أفهمهم فكانت همتي تجويد العِدَد لا تكثير العَدَد.

یعنی جب مجھے طلب علم کی حقیقت معلوم ہوئی، اور مجھے یہ پتہ چلا کہ کیا سیکھنا چاہیے اور کیا نہیں، اور یہ کہ کس سے سیکھنا چاہیے اور کس سے نہیں، تو پھر میں نے اپنی روش پر نظر ثانی کی۔ اب میں نے ابنائے زمانہ کے برعکس اپنا اصول اور طرز یہ بنالیا کہ مشائخ حدیث کے بازار میں ہر صاحب جبہ و دستار کے پاس نہیں جاتا تھا بلکہ دیکھتا تھا کہ علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور ارباب نقل و مذہب میں سے ہر دعویدار کے جوتے سیدھے نہیں کرتا تھا، بلکہ جانچتا تھا کہ ان صاحب کے پاس فہم و دانش بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اب میرا اصول یہ ہو گیا ہے کہ:

"تھوڑا کرو اور اچھا کرو"

یعنی دوسرے لفظوں میں اب میں مقدار کے بڑھانے اور زیادہ کرنے کے فکر اور اس خبط سے آزاد ہو گیا ہوں کہ میں گنواؤں کہ میرے اتنے سو شیوخ اور اتنے ہزار اساتذہ ہیں۔ بلکہ اب مجھے معیار کی فکر ہے کہ میرے اساتذہ چاہے تھوڑے ہوں لیکن یگانۂ روزگار ہوں۔ اور انہیں اپنے متعلقہ فن اور علم پر مکمل عبور ہو۔

علامہ رحمہ اللہ کی یہ فکری تبدیلی کس دور کی ہے؟ بالتعیین معلوم نہیں۔ البتہ اندازہ یہ ہے کہ اس وقت علامہ رحمہ اللہ بہت بڑے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بچپن کی نہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ بات لڑکپن کی ہو سکتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس

بے ہنگم سماع و تحصیل کا زمانہ تو یقینی طور سے بچپن کا ہے۔ دوسری طرف ہمیں یہ ملتا ہے کہ "آپ نے پہلی تصنیف تیرہ برس کی عمر میں کی" مذکورہ بالا اصولی فیصلے کے لیے جتنی سمجھ بوجھ چاہئے، باقاعدہ تصنیف کرنے والے آدمی میں وہ یقیناً موجود ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سترہ سال کی عمر میں بھی آپ کی ایک تصنیف کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کو زمانے کی تحدید میں ہم معاون نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ تصنیف اس زمانے کی ہے جس میں علامہ رحمہ اللہ اپنے من پسند اور معیار پر پورا اترنے والے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کی خدمت میں نہ صرف پہنچ چکے تھے بلکہ ایک طویل عرصہ صحبت میں بھی گذار چکے تھے۔ کیونکہ اس تصنیف کے ساتھ علامہ رحمہ اللہ کی جو یادیں وابستہ ہیں ان میں سے ایک یاد یہ بھی ہے کہ اس سال استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تھا، اور اسی سال علامہ رحمہ اللہ نے بچپن اور لڑکپن سے نکل کر بلوغت اور رجولیت کی حد میں قدم رکھا تھا، اور اسی سال آپ نے تدریس اور افادے کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ بہر حال اس وقت آپ کا سن و سال تیرہ ہو یا اس سے کچھ کم زیادہ، اتنا تو طے ہو جاتا ہے کہ بلوغت سے قبل آپ عقلی و نظری طور سے بالغ ہو چکے تھے، اور آپ نے اپنی تحصیل کی نسبت، مقدار پر معیار کو ترجیح دینے والا یہ قدم اٹھالیا تھا۔

## اساتذہ کرام:

آپ کی معیاری چھلنی سے جو اساتذہ کرام گذرے ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو القاسم الہروی رحمہ اللہ: ان کے پاس ابن ناصر آپ کو لے گئے تھے۔ آپ نے ان سے وعظ کا فن سیکھا۔

(۲) ابو الحسن ابن زاغونی رحمہ اللہ: یہ آپ کے بڑے اور خصوصی اساتذہ میں سے ہیں، جن کی خدمت میں آپ نے خاصا عرصہ گذارا۔ ان سے آپ نے وعظ اور فقہ کا علم حاصل کیا۔

(۳) ابو بکر دینوری رحمہ اللہ۔

(۴) قاضی ابو یعلی صغیر رحمہ اللہ۔

(۵) ابو حکیم نہروانی رحمہ اللہ۔

ان تینوں حضرات سے آپ نے ابن زاغونی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد علم فقہ، علم مناظرہ، علم خلاف، اور اصول فقہ جیسے علوم حاصل کیے۔

(۶) ابو یعلی بن فراء رحمہ اللہ: ان سے آپ نے علم فقہ حاصل کیا۔

(۷)۔ ابو منصور الجوالیقی رحمہ اللہ: ان سے آپ نے فنون ادبیہ، جیسے لغت، شعر، عروض، بلاغت، عربیت وغیرہ حاصل کیے۔

ان کے علاوہ اس زمانے کے مشہور اور جامع العلوم والفنون عالم ابو الوفاء علی بن عقیل رحمہ اللہ کی کتب سے بھی آپ نے بہت کچھ حاصل کیا۔ ان سے آپ نے عقلیات کی تکمیل کی۔ مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ ستر کے قریب دیگر اساتذہ سے بھی آپ نے کچھ دیگر علوم وفنون اور خاص طور سے حدیث کا سماع کیا۔ مثلاً ابن حصین، قاضی ابو بکر انصاری، ابو بکر مرزفی، ابو السعادات متوکلی، اور ابو غالب ماوردی وغیرہ۔ رحمۃ اللہ علیہم

## فراغت اور افادہ خلق:

بالتعیین تو ذکر نہیں کہ آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کب حاصل کی۔ البتہ آپ کے تذکروں میں اتنا ملتا ہے کہ جب آپ کے

استاذ ابو الحسن ابن زاغونی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو ان کی مسند درس کو سنبھالنے کے لئے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا مگر آپ کی کم عمری کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا، اور آپ کے بجائے یہ حلقہ درس ابو علی رازانی رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا گیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت نو عمر تھے اور اس وقت آپ کی عمر بقول اپنے زیادہ سے زیادہ سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ پیچھے اشارۃً آچکا ہے کہ آپ نے اسی دور میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کو آپ کے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ نے بنظر استحسان دیکھا تھا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ میں اتنے بڑے حلقہ درس کو سنبھالنے کے لیے سوائے کم عمری کے اور کوئی کمی نہیں تھی۔ چونکہ یہ سارے واقعات سن ۵۲۸ھ کے ہیں اس لیے ہم آپ کی فراغت کے سن کا تخمینی اندازہ قائم کر سکتے ہیں۔ آپ کی تحصیل کی ابتداء سن ۵۱۶ھ کی ہے۔ اور وہاں سے ۲۸ تک ۱۲ سال بنتے ہیں، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ رحمہ اللہ کے بارہ[۲] سالہ تحصیل علم کے دور کی انتہاء سن ۵۲۸ھ کو ہوئی۔

الغرض اپنے استاذ ابن زاغونی رحمہ اللہ کا حلقہ درس تو نہ ملا لیکن وزیر نے آپ کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر آپ کو جامع منصور میں اپنا حلقہ قائم کرنے کی اجازت دیدی، اور آپ نے وہاں حلقہ قائم کر لیا۔ علم کا وفور، ادبی چاشنی، وعظ کا

---

۲۔ بغداد جیسے علمی گرم بازاری والے شہر میں جب علامہ ابن جوزی جیسے آدمی کو مروجہ علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل میں بارہ سال کا عرصہ لگا ہو، ایسے میں آج کل کے ماحول میں آٹھ سال بلکہ اس سے بھی کم عرصے میں دستار فضیلت اور مسند علم کے جائز استحقاق کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور ٹھوس علمی استعداد کے ضامن نصاب میں آئے روز تبدیلی کرنے اور اسے مختصر سے مختصر کرنے کا خیال نہ جانے کس بنیاد پر قائم ہے؟ فإلى الله المشتكى

سلیقہ، اور افہام وتفہیم کا ملکہ وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کے حلقے میں کھچے آنے لگے اور آس پاس کے حلقہائے درس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ خود ابو علی رازانی رحمہ اللہ کی مجلس کی رونق بھی ماند پڑ گئی۔ اور آپ کے گھاٹ پر تشنگانِ علم کا جھمگٹا ہونے لگا۔

## عملی زندگی کے دو پہلو:

یہاں سے علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں، اور آپ کا رخ خلق خدا کے افادے کی طرف ہوتا ہے۔ پھر آپ نے قریب قریب ۶۵ سے ۷۰ سال کا طویل عرصہ اسی کام میں گذارا، اور اس کام کے لئے گویا اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ افاداتی کہیں، عملی کہیں، تبلیغی کہیں، یا دعوتی واصلاحی، بہر حال ہم آپ کے اس دور کو دو نمایاں حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱)۔ زمان ومکان کے اعتبار سے لا محدود اور ابدی دور افادہ: یعنی تصنیفی پہلو

(۲)۔ زمان ومکان کے اعتبار سے محدود: یعنی واعظانہ پہلو

ذیل میں ان دونوں سے متعلق کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔

## وعظ ونصیحت:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ وہ پہلو ہے جو آپ کی نہ صرف شہرت بلکہ آپ کی پہچان بن گیا۔ آپ کو اس میدان میں وہ کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی جو نہ صرف اس زمانے میں بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ آپ کی اس خوبی کا اعتراف ہر اپنے پرائے نے کیا ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کا وعظ ہر طرح کی باطنی خوبیوں اور لوازم کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن اور

تقاضوں سے بھی بھرپور ہوتا تھا۔ اس باب میں فنی لحاظ سے بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ وعظ وخطابت میں اپنی کمال مہارت کو تحدیث بالنعمہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولقد أقدر على أن أرتجل المجلس كله من غير ذكر محفوظ.

ترجمہ: میں (بحمد اللہ) یہ صلاحیت بھی رکھتا ہوں کہ پوری پوری مجلس وعظ بغیر کسی سابقہ تیاری، اور کچھ پہلے سے ذہن میں لائے بیان کر دوں۔

بلکہ یہ تو ایک مجلس کا قصہ ہے اس سے آگے لکھتے ہیں:

وربما قرئت عندي في المجلس خمس عشرة آية فآتي على كل آية بخطبة تناسبها في الحال.

ترجمہ: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میری مجلس میں مختلف موضوعات کی پندرہ آیات پڑھی گئیں، لیکن میں نے اسی وقت اسی جگہ ہر آیت کے مناسب تقریر اور بیان کیا۔

اس کے علاوہ مجالس وعظ میں زریں جملے ادبی قطعات اور اشعار بے تکلف پڑھتے جاتے تھے، اشعار میں تو آپ کو فی البدیہہ کہنے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے اشعار کو جب جمع کیا گیا تو وہ دس کے قریب ضخیم اجزاء میں سمائے۔ ابن رجب رحمہ اللہ آپ کے وعظ کی تاثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپ کی مجالس وعظ میں وہ تاثیر اور قوت ہوتی تھی کہ شاید وباید۔ اس سے قبل کسی کے سننے میں ایسا وعظ نہیں آیا۔ آپ کے وعظ سے غفلت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے ہوش میں آتے، اور ناواقف وبے علم لوگ اپنا دامن طلب علم ومعرفت سے بھر بھر کر لے جاتے، گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے گناہوں سے توبہ کرتے اور کافر ومشرک آپ کا وعظ سن کر مسلمان ہوتے۔"

ناصح الدین ابن حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"آپ کی مجالس وعظ میں جلال وکمال نمایاں ہوتا تھا۔ بغداد بھر کے اچھے اچھے لوگ مجلس کا حصہ ہوتے تھے۔ گفتگو عام فہم الفاظ لیکن سجع کی لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ دلسوز انداز سے تلاوت قرآن، خوش کن آوازیں، وجد وتواجد بھری سسکیاں، خشیت والوں کے آنسو، انابت والوں کا رجوع وزاری، توبہ کرنے والوں کی عاجزی وگڑگڑاہٹ، اور لمحہ لمحہ رحمت خداوندی کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ اور ظہور۔ یہ سب کچھ آپ کی مجلس وعظ کا حصہ ہوتا تھا۔"

## مجالس وعظ کے شرکاء:

آپ کی مجالس وعظ میں شرکاء کی تعداد کے حوالے سے یہ روایات ہیں کہ ایک ایک مجلس میں لاکھ کے لگ بھگ آدمی شریک ہوتے تھے [۳]۔ ان روایات میں عدد وتعداد کے اندازے تقریبی یا تخمینی ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ مبالغے کا شکار بھی ہوں، تب بھی اتنی ساری روایات سے قدر مشترک کے طور پر اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ ان مجالس میں مجمع اتنا زیادہ ہوتا تھا جو عام حالات میں اکٹھا نہیں ہوتا تھا، اور اسی کثرت کی وجہ سے اس کی تعداد پر لاکھ تک پہنچنے کا گمان گذرتا تھا۔ اگر وہ لاکھوں میں نہیں تھا تو نہ ہو، ہزاروں کی تعداد بہرحال ضرور ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے تو گلیاں کھچا کھچ بھر جاتیں، مسجد میں ایک ایک روز قبل ہی

---

۳۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں اس تعداد کو یہ کہہ کر مشکوک اور مبنی بر مبالغہ قرار دیا ہے کہ اول تو اتنے لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہے کونسی جگہ میں اتنے لوگ سما سکتے ہیں؟ پھر اگر جمع ہوں بھی تو ان تک آواز کا پہنچنا بجائے خود ایک بنیادی سوال ہے۔ اھ

لوگ جگہ سنبھال لیتے، آس پاس کی دوکانوں اور ان کی چھتوں پر لوگ اچھے خاصے مہنگے داموں کرائے پر جگہ حاصل کرتے تھے۔

آپ کی مجالس کی مقبولیت اور عمومیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان مجالس میں نہ صرف اعیان شہر اور وزراء وغیرہ شریک ہوتے بلکہ خود خلیفۃ المسلمین امیر المومنین، عباسی خلیفہ بھی حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اس موقع پر آپ پیشہ ور واعظوں اور طالب دنیا لوگوں کی طرح خلیفہ کی خوشامد اور چاپلوسی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حسب اقتضاء خوب وعظ و نصیحت سے کام لیتے۔ ایک دفعہ آپ نے خلیفہ سے کہا:

> ”اگر میں (دوٹوک انداز میں) آپ کو نصیحت کرتا ہوں تو مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، اور اگر نہیں کرتا (اور گویا مداہنت سے کام لیتا ہوں) تو آپ کی عاقبت کا خوف دامن گیر ہے۔ لیکن میں اپنے انجام کی پرواہ کیے بغیر آپ کی عاقبت کو ترجیح دیتا ہوں، اور آپ کو (دوٹوک) نصیحت کرتا ہوں۔“

ایک موقع پر آپ نے خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ”اے خلیفہ! اس وقت دنیا میں آپ سے اوپر کوئی آدمی نہیں۔ اس لحاظ سے آپ پر جتنے انعاماتِ خداوندی ہیں وہ کسی اور پر نہیں۔ اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر بھی اتنا ہی بجالائیں کہ جتنا کوئی اور نہ کرسکے“۔

خلیفہ پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ان مجالس وعظ نے لوگوں پر کیفیت کے اعتبار سے کتنا اثر کیا؟ یہ تو معلوم ہونا مشکل تھا البتہ کمیت کے حوالے سے جو لوگ علم میں

آسکے ان کے بارے میں خود علامہ فرماتے ہیں:

"میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقوی کی ترغیب دیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے کتاب میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی فہرست جمع کرلی۔ دس ہزار سے زیادہ لوگوں کی شرکیہ چوٹیاں کاٹیں، اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔"
(کتاب القصاص والمذکرین)

"تلبیس ابلیس" کے مقدمے میں عبد الحق اعظم گڑھی لکھتے ہیں:

"علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی مجالس وعظ میں بدعات ومنکرات کی کھل کر تردید کی، عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا، اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیت، اور عام مقبولیت کی وجہ سے اہل بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ رہا۔ سنت کو ان کے مواعظ ودروس سے بہت فروغ حاصل ہوا۔"

## علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اور زہد وتصوف:

ایک طرف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے وعظ کی یہ غیر معمولی اور جادوئی تاثیر کہ ہزارہا لوگوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ رہی ہے، لاکھوں تائب ہو رہے ہیں، سیکڑوں مشرف باسلام ہو رہے ہیں، اور دوسری طرف بعض اہل بصیرت کا یہ قول کہ:

"جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ دینی میدان میں واقعی، موثر اور مقبول الآثار کام کر رہا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اس کے کام میں برکت ہے، تو سمجھ لو کہ اس نے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔"

اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول بھی سامنے رکھیں کہ حقیقی معنوں میں موثر وعظ

کے لیے جہاں علم، خوش اسلوبی، اور عمدہ بیانی ضروری ہے، وہاں اپنا عمل اور خانہ دل کی آبادی بھی ضروری ہے۔ جب اس سب کچھ کے بعد علامہ کے وعظ پر نظر ڈالیں تو یہاں صورتحال یہ ہے کہ نتیجہ یعنی وعظ کی تاثیر تو موجود ہے، لیکن بیچ کے مقدمات اور کڑیوں میں سے وفور علمی، خوش اسلوبی اور عمدہ بیانی بھی نمایاں ہے مگر دیگر مقدمات سامنے نہیں۔ علامہ رحمہ اللہ کے حالات پڑھتے ہوئے یہ سوال سامنے آیا لیکن بحمد اللہ ورق گردانی کرتے ہوئے جلد ہی یہ عقدہ بھی حل ہو گیا۔

سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واقع الله له في القلوب القبول والهيبة وكان زاهداً في الدنيا متقللاً منها.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی مقبولیت اور ہیبت اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ خود علامہ بھی دنیا کے زاہد اور تھوڑے سے پر گذارہ کرنے والے تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

ما مازح قط ولا لعب مع صبي ولا أكل من جهة لا يتيقن حلها.

ترجمہ: آپ نے کبھی لغو مذاق نہیں کیا۔ اور بچپن میں بھی آپ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اور آپ نے کبھی ایسی چیز نہیں کھائی جس کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو۔ یعنی مشکوک اور مشتبہ چیز کبھی نہیں کھائی۔

اپنی ذات اور عمل کی حد تک تو یہ بات درست تھی لیکن ابھی ایک اور کڑی اور اہم کڑی رہ رہی تھی۔ یعنی تزکیہ باطن، تصفیہ قلب، تنقیہ خاطر یا دوسرے

لفظوں میں خانہ دل کی آبادی والی کڑی ۔لیکن وہ بھی انہی اوراق سے مل گئی۔ آپ کے شاگرد ابن النجار رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان مع هذه الفضائل والعلوم الواسعة ذا اوراد وتأله وله نصيب من الأذواق الصحيحة وحظ من شرب حلاوة المناجاة وقد أشار هو إلى ذلك ولا ريب أن كلامه في الوعظ والمعارف ليس بكلام ناقل أجنبي مجرد عن الذوق بل كلام مشارك فيه.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی ان تمام فضائل ومناقب اور وسعت علمی کے ساتھ ساتھ اوراد واشغال اوراللہ اللہ بھی کرنے والے تھے۔انہیں ذوق صحیح اور مناجات خداوندی کا وافر حصہ عطاہوا تھا۔ آپ نے خود اس بات کو اشارۃ ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں آپ کے وعظ سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ علوم ومعارف کے حوالے سے یہ کسی ایسے شخص کا کلام نہیں، جو اصل حقیقت سے نا آشنا اور محض اجنبی ناقل ہو۔ بلکہ آپ کا کلام ایسے ہوتا تھا جیسے متکلم خود حقائق ومعارف کے اس دریا کا غوطہ زن ہو۔

اس عبارت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ علامہ رحمہ اللہ کا دل خانہ خالی اور صرف ظاہری قیل وقال کا مسکن نہ تھا بلکہ ذوق ووجد بھی راہ پائے ہوئے تھے۔لیکن یہاں تک رسائی کیسے ہوئی ؟ یہ سوال ابھی تشنہ جواب ہے۔ کچھ اشارہ تو اوراد واشغال اور اللہ اللہ سے مل گیا، مزید کچھ اس عبارت میں دیکھیے:

وذكر ابن القادسي في تاريخه أن الشيخ كان يقوم الليل ويصوم النهار وله معاملات، ويزور الصالحين إذا جن الليل ولا يكاد يفتر إذا جن الليل، ولا يكاد يفتر

عن ذكر الله.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی رات قیام ونوافل میں گذارتے اور دن کو روزہ رکھتے۔ آپ کے ہاں احوال وکیفیات بھی تھیں۔ آپ رات کے اندھیرے میں نیک لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ رات کو بے کار نہیں گذارتے تھے، بلکہ ہمیشہ اپنے فارغ وقت کو ذکر اللہ کی مصروفیت سے قیمتی بنائے رکھا۔

اس عبارت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ بزرگوں کی زیارت کرتے تھے لیکن یہ کون لوگ تھے اور کتنے تھے یہ مذکور نہیں۔ البتہ اتنی بات تو ہاتھ آتی ہے کہ علامہ رحمہ اللہ کی اس شعلہ تاثیری اور جادو بیانی کے پیچھے کوئی ہے ضرور۔ ہمیں نام سے کیا غرض کام سے مطلب ہے۔ مذکورہ بالا عبارتوں کے علاوہ ایک اور حوالہ بھی ہے جس میں علامہ رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ پہلو ایک مستقل عرصے کی محنت اور مجاہدے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ابن رجب رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ابن القطیعی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ذكر أنه صرد الصوم مدة واتبع الزهاد ثم رأى أن العلم أفضل من كل نافلة فانجمع عليه ونظر في جميع الفنون وألف فيها.

ترجمہ: علامہ نے ایک مدت تک مسلسل روزے رکھے اور زاہد لوگوں کی مجالس میں بھی حاضری دی بلکہ ان کی ٹوہ اور طلب و تلاش میں وقت گذارا۔ پھر جب آپ نے دیکھا کہ علم ہر نفل عبادت سے افضل ہے تو آپ یکسو ہو کر اسی میں لگ گئے۔ اور تمام علوم وفنون میں حصہ لیا بلکہ ان میں تالیفات کیں۔

یہ ہے وہ عبارت جس کی بنیاد پر ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علامہ رحمہ اللہ

نے (بظاہر علم سے فارغ ہونے کے بعد کیونکہ بچپن سے تو تحصیل شروع ہو چکی تھی) ایک زمانہ باقاعدہ اللہ والوں کے پاس گذارا ہے۔ جس میں روزے جیسے مجاہداتی عمل سے مشق بہم پہنچائی اور صوفیا کے پیچھے پیچھے رہے۔

یہاں تک پہنچ کر بحمد اللہ ہمیں اپنے سوال کا جواب اور صاحب بصیرت کے قول کی تصدیق مشاہداتی حد تک مل جاتی ہے۔ البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ آخری عبارت میں راوی نے تاثر یہ دیا ہے کہ گویا علامہ رحمہ اللہ پہلے بے خبری میں اس کام میں لگے رہے لیکن پھر سمجھ آئی تو اسے چھوڑ دیا۔ ہم بصد ادب اختلاف کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اول تو علامہ رحمہ اللہ جیسے آدمی سے، جو بچپن میں ہی اپنے لئے اہم تعلیمی فیصلے کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، یہ توقع رکھنا کہ وہ ایک عرصہ دراز تک بے کار کام میں اس قدر انہماک سے مشغول رہا ہو گا، خاصا بعید ہے۔ ثانیاً علامہ رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل اعراض اور اعلی کی ادنی پر ترجیح نہیں، بلکہ یہاں در حقیقت وہ صورت پیش آئی ہے جسے ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا یا عروج سے نزول کرنا کہتے ہیں۔ تصوف و تزکیہ کے ضروری مراحل و مدارج طے کرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے مزاج اور استعداد کے موافق کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس سے کام میں وہ نکھار آتا ہے جسے برکت و قبولیت کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ یہی صورت حال علامہ رحمہ اللہ کے ساتھ بھی پیش آئی کہ ضروری پہلوؤں کی تکمیل کے بعد انہیں ان کے اصل کام پر لگا دیا گیا۔ تاہم اس میں بھی وہ اس ربط خفی کو بھولے نہیں بلکہ راتوں کو جا جا کر اللہ والوں کی قدم بوسی کیا کرتے تھے۔

بہر حال مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ رحمہ اللہ صرف

ظاہر بین عالم نہ تھے بلکہ آپ کے ہاں ظاہر میں جتنا وفور علمی تھا، باطن اس سے کہیں زیادہ موجزن تھا۔ اور آپ عالم کامل ہونے کے ساتھ مکمل صوفی [۴] بھی تھے، مگر آپ میں اخفاء کمال درجے کا تھا، اس لیے یہ پہلو زیادہ نمایاں نہ ہو سکا۔ آپ کی اسی خفیہ صوفیت کی چغلی آپ کی یہ تصانیف بھی کھاتی ہیں، جیسے مناقب فضیل بن عیاضؒ، مناقب بشر حافیؒ، مناقب ابراہیم بن ادہمؒ، مناقب سفیان ثوریؒ، مناقب معروف کرخیؒ، مناقب رابعہ عدویہؒ وغیرہ ایسے ٹھیٹھ صوفیاء کے حالات وہی لکھ سکتا ہے جسے ان سے کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ مناسبت وعقیدت ہو۔ ورنہ آج کل کے تو اچھے خاصے مدعیانِ اعتدال کے ماتھے پر ان حضرات کے نام سن کر ہی شکنیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ سارے قرائن نہ بھی ہوں تو کم از کم آپ کی کتاب "تلبیس ابلیس" پڑھنے سے ہی آدمی اندازہ لگالیتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ صوفی بھی ہیں کیونکہ جتنی گہرائی اور باریک بینی سے علامہ رحمہ اللہ نے اس میں صوفیاء کا تجزیہ پیش کیا ہے، وہ

---

۴۔ عجب نہیں بلکہ یقیناً صوفیاء کے ساتھ اسی ربط خفی یا خود صوفی ہونے نے ہی آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلق میں اعتدال پر کاربند رکھا ہو گا۔ کیونکہ بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ صوفیاء کا طبقہ اس باب میں صحیح معنوں میں جادہ اعتدال پر نہ صرف کاربند بلکہ اس کا موثر داعی بھی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> "میرا دعویٰ ہے کہ سنیت کے مسلک پر کم از کم عامۃ المسلمین کو قائم رکھنے میں سب سے زیادہ موثر حصہ حضرات صوفیاء ہی نے لیا ہے۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ ان کا ایک خاص ربط باوجود شدید تسنن (متصلب سنی ہونے) کے اس کامیابی کا بہت کچھ ذمہ دار ہے۔ ورنہ مولویوں کے مناظرانہ مباحث کتابوں میں جس شکل میں پائے جاتے ہیں، ان کے پڑھنے والوں میں کسی ایک طرف غلو پیدا کردے تو کچھ تعجب نہیں۔" (تعلیم وتربیت؛ ص۔۲۷۷)

محض سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں ہو سکتا، بلکہ لامحالہ مشاہدے پر مبنی ہے۔یعنی آپ نے صوفیاء کو قریب بلکہ بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے اس مشاہدے میں جہاں کھوٹے لوگوں کو دیکھا ہے وہاں کھروں سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا ہو گا۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی قلب سلیم رکھنے والا اس طبقہ صافیہ کو اتنا قریب سے دیکھے اور اس ناوک کا گھاؤ لئے بغیر واپس آئے۔هم قوم لايشقى جليسهم

ویسے بھی علامہ رحمہ اللہ کا زمان و مکان وہ ہے جہاں سے کچھ ہی عرصہ پہلے شہ اولیاء تاجدار اصفیاء سیدنا الشیخ عبد القادر جیلی (قدس اللہ سرہ واذاقنا ما اذاقہ) کا ناسوتی گذر ہوا تھا۔ بغداد کی فضاؤں میں ان کے انفاس قدسیہ کی تاثیر باقی تھی۔ اور ان کے تربیت یافتہ دیوانے بھی یہیں تھے۔ اتنی بڑی شمع کے پروانے فقیہانِ شہر میں سے چند فرزانوں کو بھی متاثر نہ کریں؟ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

## تالیفات :

علامہ رحمہ اللہ کی افاداتی زندگی کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک واعظانہ اور دوسرا تصنیفاتی۔ واعظانہ کی نسبت بات کرنے کے بعد اب دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس پہلو کو ہم نے دوامی پہلو کے نام سے موسوم کیا تھا جس کی وجہ یہ ہے:

يلوح الخط في القرطاس دهرا
وكاتبه رميم في التراب

کہ لکھنے والا چاہے منوں مٹی میں جا کر سو جائے اور مرور زمانہ سے اس کی ہڈیوں تک کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے، مگر اس کی لکھی ہوئی تحریر جبینِ دہر پر اپنی اپنی حیثیت اور معنویت کے بقدر چمکتی رہتی ہے اور دیکھنے والے اسے دیکھتے اور فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

حقیقت میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ سے ہمارے تعلق کا سبب اور بنیاد یہی پہلو ہے کیونکہ ہم نے نہ تو ان کو دیکھا، نہ مجالس وعظ میں شرکت کی، نہ لوگوں کو گریبان پھاڑتے دیکھا، اور نہ شرکیہ چوٹیاں کٹتے دیکھیں۔ ہم نے اگر کچھ دیکھا ہے تو بس وہی صفحہ قرطاس پر قلم سے پروئے ہوئے موتی دیکھے ہیں۔ انہی کے ذریعے ہم علامہ رحمہ اللہ کی جلالت شان اور قدر و منزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس لئے ہمارے واسطے تو یہی سب کچھ ہے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو اگر عمومیت، فائدے کی وسعت اور ابدیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اول الذکر پہلو سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

آپ کی تالیفی زندگی سے متعلق تذکرہ نگاروں نے، عام سوچ کے لیے عجیب وحیران کن اور کسلمند طبیعتوں کے لیے بڑی عبرت آموز باتیں لکھی ہیں۔ آپ نے ایک دفعہ منبر پر فرمایا: میں نے اپنی ان دو انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی (نقل کی) ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کس دور کی بات ہے اور اس بات کے بعد مصنف کتنا عرصہ زندہ رہے۔ آپ کی تصنیفی زندگی کی ابتداء تیرہ سال کی عمر سے ہوئی۔ کل عمر چونکہ ۸۷ سال کے قریب تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ قریب قریب پون صدی تک آپ کا قلم گہر بار رقم قرطاسی لوحات پر اپنے نقوش مرتسم کرتا رہا۔ کہتے ہیں اچھی طرح ایک صفحہ لکھنے کے لیے کم از کم سو صفحات اچھی طرح پڑھنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر علامہ رحمہ اللہ کی وقیع تصنیفات کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ قائم کرنا مشکل نہیں کہ علامہ رحمہ اللہ نے کیا کچھ نہیں پڑھا ہو گا۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل مبالغہ نہ ہو گا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ان فرض شناس اور زندگی کے قدردان لوگوں میں سے تھے جن کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا اور وہ کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ وقت تو وقت ہے اور بہت

قیمتی ہے، تذکروں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنے قلم کے تراشے اور برادہ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے جمع کرتے جاتے تھے مرتے ہوئے وصیت کی تھی کہ میرے غسل کا پانی ان سے گرم کیا جائے وہ برادہ اور تراشے اتنے تھے کہ غسل کا پانی گرم کرنے کے باوجود بھی بچ گئے۔ آپ نے عمر بھر لکھا، اور بہت کچھ لکھا۔ ابن برزوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم يترک فناً من الفنون إلا وله فيه مصنف.

ترجمہ: اس اللہ کے بندے نے کوئی علم و فن ایسا نہیں رہنے دیا جس میں اپنے قلم سے نقش تابدار یعنی کوئی تالیف نہ چھوڑی ہو۔

اور ابن رجب رحمہ اللہ آپ کی تالیفی اُپج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"علامہ ابن جوزی جب کوئی بھی کتاب دیکھتے اور انہیں وہ پسند آتی تو فوراً اسی جیسی کتاب تالیف کر دیتے چاہے اس سے پہلے اس علم فن میں آپ نے کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور ایسا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ آپ کو فطرت سے اعلی درجے کی ذہانت اور قوت فہم عطا ہوئی تھی، اور مجتہدانہ سلیقہ تالیف و ترتیب ودیعت ہوا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وله من التصانيف في الحديث وفنونه ما لم يصنف مثله قد انتفع الناس به.

ترجمہ: علامہ ابن جوزی نے علوم حدیث کے میدان میں ایسی کتابیں بھی تالیف کی ہیں جو اس سے پہلے لکھی ہی نہیں گئی تھیں اور لوگوں نے ان سے ان کی ندرت کی وجہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔

صیرفی رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما علمت أن أحداً من العلماء صنف مثل ما صنف

هذا الرجل.

ترجمہ: اس بندہ خدا نے تصنیف کے میدان میں وہ نقوش چھوڑے ہیں جو میرے علم کی حد تک پہلے وجود میں نہیں آئے تھے۔

## تصانیف کی تعداد:

خود علامہ رحمہ اللہ نے اپنی تالیفات کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بتائی ہے۔ آپ کے نواسے کے بقول آپ کی کتابوں کی تعداد ۲۵۰ کے آس پاس ہے۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

قلت: وكذا وجد بخطه قبل موته أن تواليفه بلغت مئتين وخمسين تاليفاً.

ترجمہ: آپ کی وفات سے قبل لکھی ہوئی ایک تحریر میں یہ تھا کہ آپ کی تالیفات کی تعداد ۲۵۰ تک پہنچ گئی ہے۔

"سیر اعلام النبلاء" میں تصانیف گنوانے کے بعد علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقيل: نيفت تصانيفه على الثلاث مائة.

ترجمہ: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی تالیفات تین سو کے لگ بھگ ہیں۔

اس کے علاوہ ماضی قریب کے بعض محققین نے بھی تین سو کے قریب تالیفات گنوائی ہیں اگرچہ اس پر بھی کچھ رسالوں کا استدراک اور اضافہ کیا گیا ہے تاہم اس ساری تحقیق اور کدوکاوش کے بعد علامہ رحمہ اللہ کی تالیفات کی تعداد تین سو سے لیکر زیادہ سے زیادہ چار سو تک پہنچتی ہے۔ اس سے زیادہ بالکل بھی نہیں۔ ایک طرف یہ تحقیق ہے اور دوسری طرف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وله مصنفات في أمور كثيرة حتى عددتها فرأيتها أكثر من

ألف مصنف ورأيت بعد ذلک ما لم أره. (الأجوبة المصرية)

ترجمہ: علامہ ابن جوزی کی بہت سی تالیفات ہیں میں نے انہیں شمار کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد ایسی تالیفات بھی دیکھیں جو اس سے پہلے نظر نہیں آئی تھیں۔

ایک طرف تین سو سے کچھ اوپر کا عدد ہے اور اس کے مویدات، قرائن اور مرجحات بھی کافی ہیں اور دوسری طرف ہزار سے بھی اوپر کا عدد ہے۔ یہ ایک تعارض ہے اور بہت بڑا تعارض ہے جس کے لیے تطبیق کی صورت ہو تو کیا ہو؟ اسے کتابت کی غلطی یا علامہ کی خطا سمجھا جائے یا اسے اسی عام مبالغاتی تاثر اور انداز کا مظہر قرار دیا جائے جو علامہ کی تحریرات میں نمایاں اور آپ کے قلم کا جزو لازم ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شاید علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتابوں کے مختلف ابواب اور فصول کو بھی تصنیف شمار کیا ہو۔ واللہ أعلم

## تدریسی زندگی:

علامہ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی وجوہ خیر اور اچھائی کے کاموں کے لیے گویا وقف کر رکھی تھی انہوں نے وعظ و نصیحت اور تالیف و تصنیف کے ساتھ ساتھ علماء کی اہم خصوصیت اور پہچان بلکہ علمی رسوخ کے ضامن یعنی تدریس کو بھی اپنے معمولاتِ زندگی کا حصہ بنائے رکھا۔ ایک جگہ اپنی اس چیز کو از راہ تحدیث بالنعمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وصار لي إليوم خمس مدارس.

ترجمہ: آج میرے پانچ تدریسی مراکز اور مدرسے ہیں۔

علامہ رحمہ اللہ خود متعدد مدارس میں تدریس کرتے رہے۔ مدرسہ نظامیہ

بغداد جو اپنے دور کی گویا مشہور عالمی یونیورسٹی تھی اس میں بھی علامہ رحمہ اللہ تدریس کرتے رہے۔ یہیں حافظ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کے قوالی کے سماع والا قصہ پیش آیا جسے انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

علامہ رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنی ذاتی زندگی تقشف میں نہیں گذاری بلکہ اپنی خوراک اور لباس وغیرہ میں تھوڑے بہت تکلف کہیے یا ضرورت اس کا خیال رکھتے تھے، اور اس کے پس منظر میں ان کی خاندانی معاشی حالت بھی کار فرما تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی ضروریات کی حد تک ہی مال ودولت سے کام رکھا ہے اور اسی حد تک اسے خرچ بھی کرتے تھے۔ جو ہدایا وغیرہ ملتے تھے ان سے کوئی جاگیر اور مستقل جائیداد نہیں بنائی بلکہ اسے ایک ایسے مصرف میں خرچ کیا جو واقعتاً مستقل اور ابدی جائیداد ہے۔ یعنی آپ نے اپنی گرہ سے بغداد کے علاقے میں ایک مدرسہ بنایا اور اس طرح اجر کے ساتھ ساتھ اپنے تدریسی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ثم أن الشيخ بنى مدرسة بدرب دينار ودرس بها سنة سبعين وذكر أول يوم تدريسه بها أربعة عشر درساً من فنون العلم.
>
> ترجمہ: پھر علامہ ابن جوزی نے درب دینار میں ایک مدرسہ بنایا، اور اس میں اپنے پہلے روز کی تدریسی کار گزاری کے اندر مختلف علوم وفنون کے چودہ اسباق کا ذکر کیا ہے۔

اس ایک مدرسے کے بارے میں تو صراحت مل گئی البتہ پیچھے ذکر کردہ پانچ مدارس کے بارے میں یہ وضاحت نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مال اور مصارف سے تیار کردہ تھے یا ان میں سرکاری بھی تھے۔ اگرچہ ایسی کوئی ٹھوس شہادت نہیں کہ جس کی بنیاد پر کھلے لفظوں میں دعویٰ کیا جاسکے، تاہم انداز تعبیر سے ذاتی ہونے کا

خاصا عندیہ ملتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علامہ رحمہ اللہ اپنا کتنا مال اور آمدن طلبائے علوم نبوت پر خرچ کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ اس کے بعد علامہ رحمہ اللہ کے پاس جمع کرنے اور کوئی جاگیر وغیرہ بنانے کے لیے آخر بچتا ہی کیا کچھ ہو گا۔!

## تلامذہ :

ویسے تو پورا بغداد ہی آپ کے مستفیدین میں سے اور ایک لحاظ سے شاگرد تھا، اسی طرح حدیث کا سماع کرنے والے بھی بے شمار لوگ تھے، لیکن ان سارے لوگوں میں سے کچھ حضرات علامہ رحمہ اللہ کے خاص اور نمایاں تلامذہ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

> طلحہ علثی، ابو عبد اللہ ابن تیمیہ (دادا) خطیب حران، علامہ کے صاحبزادے محی الدین، نواسے ابو المظفر، شیخ موفق الدین ابن قدامہ (صاحب مغنی)، حافظ عبد الغنی، ابن الدبیثی، ابن القطیعی، ابن النجار، ابن خلیل، ابن عبد الدائم، النجیب عبد اللطیف حرانی یہ علامہ رحمہ اللہ کے آخری شاگردوں میں سے ہیں۔

## درسِ قرآن کا دستور :

علامہ رحمہ اللہ کے اس کارنامے کو وعظ میں شامل کیجئے تو وعظ ہے اور تدریس کہیں تو تدریس ہے ویسے تدریس سے اس کا تعلق زیادہ اور قریبی ہے۔ یہ کارنامہ کیا ہے خود انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ لکھتے ہیں:

> وفي هذه السنة انتهى تفسيري في القرآن في المجلس على المنبر إلى أن تم فسجدت على المنبر سجدة تشكر وقلت:

ما عرفت أن واعظاً فسر القرآن كله في مجلس الوعظ منذ نزل القرآن، ثم ابتدأت ختمة أفسرها على الترتيب، والله قادر على الإنعام والإتمام والزيادة من فضله. (ذيل طبقات لابن رجب)

ترجمہ: اس سال منبر پر لوگوں کی مجلس میں میری تفسیر قرآن پوری ہوئی جب پوری ہوئی تو میں نے انتہائی امتنان واحسان مندی کے ساتھ منبر پر ہی اللہ کا شکریہ ادا کیا اور سجدہ شکر بجالایا۔ اور میں نے کہا: میرے علم کے مطابق نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی واعظ / خطیب نے مجلس وعظ میں پورے قرآن کی تفسیر نہیں بیان کی۔ پھر میں نے ایک اور ختم کی ترتیب بنائی اور ترتیب کے ساتھ تفسیر بیان کرنے کا کام شروع کیا، اللہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ہیں۔

مکمل درس قرآن کے سلسلے کا علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو اس لحاظ سے موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

## حلیہ وشمائل:

شیخ موفق الدین عبد اللطیف رحمہ اللہ علامہ رحمہ اللہ کے حلیے کے بارے میں بڑے جامع اور موزوں الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ ابن جوزی نازک اندام، شیریں خصائل، خوش آواز، ہنس مکھ، موزوں گفتگو، اور متناسب چال ڈھال کے مالک تھے، آپ سفید رنگ کا نرم گداز اور خوشبودار لباس زیب تن کرتے تھے۔"

متعدد تذکرہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ:

"علامہ نے حب بلاذر[5] پیا، جس کی وجہ سے آپ کی داڑھی جھڑ کر

---

۵۔ حب بلاذر: یعنی بلاذر کے دانے، بلاذر ایک خشک میوہ ہے جسے "کاجو" کہتے ہیں۔ اس کو خاص

بہت چھوٹی رہ گئی تھی۔ آپ اس پر سیاہ خضاب[٦] لگاتے تھے۔ اور یہ سلسلہ وفات تک جاری رہا۔"

علامہ رحمہ اللہ چونکہ علمی مشغلہ رکھتے تھے اور خود طب سے بھی واقفیت تھی اس لیے اپنی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے، اور ہمیشہ وہ چیزیں استعمال کرتے تھے جو دماغ اور حافظے کے لیے تقویت کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ آپ غذا میں عام طور سے چوزہ استعمال کرتے، اور پھل و میوہ جات کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ (طبقات ابن رجب)

## نظر بندی کے مصائب :

حضرات صوفیاء اور بڑے لوگ اپنے مریدین اور مبتدی سالکین سے کہا کرتے ہیں "ہماری انتہاء نہ دیکھو، بلکہ ہماری ابتداء پہ نظر رکھو، ہماری ابتداء دیکھو

---

ترکیب سے حافظے کی تقویت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نسخہ حافظے کے لیے بے حد مفید ہے لیکن اگر ترکیب اور استعمال میں ذرا سی بے احتیاطی اور اونچ نیچ ہو جائے تو اتنا ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات موت، پاگل پن، یا کم از کم برص اور جذام وغیرہ جیسے امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ ایک تو اس کا یہی اثر ہے جو علامہ رحمہ اللہ پر ظاہر ہوا اس کے علاوہ تراجم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ اور ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے اسے استعمال کیا تو اول الذکر کو برص اور دوسرے کو جذام کی شکایت ہو گئی۔ اور ابن خلکان کے بقول مدرسہ نظامیہ کے پانچ مدرسین نے استعمال کیا تو پانچوں کے پانچوں عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان پانچ میں سے ایک دن ایک صاحب عریاں حالت میں باہر آئے اور کہنے لگے: ہم پانچ لوگوں نے بلاذر استعمال کیا تھا۔ صرف میں صحیح ہوں اور باقی سارے پاگل ہو گئے ہیں۔ (فلله عجائبه)

٦۔ سیاہ خضاب کے جواز پر علامہ رحمہ اللہ نے ایک پوری کتاب بھی لکھی تھی۔ اس مسئلے میں یہ علامہ رحمہ اللہ کی انفرادی رائے ہے، ورنہ جمہور اہل علم کے نزدیک چند استثنائی صورتوں کے علاوہ بالکل سیاہ خضاب کا استعمال جائز نہیں۔ (ش۔ا)

گے تو کچھ بنو گے اگر انتہاء دیکھو گے تو پریشان ہو جاؤ گے" کیونکہ ایسے حضرات کی ابتدائی زندگی مجاہدے کسر نفس، زہد و تقشف، اور بے سروسامانی سے عبارت ہوتی ہے جبکہ آخری حصے میں فتوحات کی جھلک آجاتی ہے جس کی چمک دمک سے کچے ذہن اور کمزور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اسی ضابطے ہی کی کار فرمائی سمجھیے یا سوء اتفاق کہ بڑے حضرات کی اولادیں عام طور سے بڑی نہیں ہوتیں بسا اوقات نہ صرف یہ کہ بڑی نہیں ہوتیں بلکہ بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ خود علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تین بیٹے تھے ایک تو عنفوان شباب میں ہی فوت ہو گئے، دوسرے نیک صالح عالم و واعظ بنے اور تیسرے صاحب ایسے نکھد اور نکھٹو نکلے کہ علامہ رحمہ اللہ نے ان کی حرکات کی وجہ سے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا۔ اور وہ ایک دوسرے شہر میں رہتے تھے جب علامہ رحمہ اللہ نظر بند ہوئے (جس کی تفصیل ابھی آیا چاہتی ہے) اور ان صاحب کو پتہ چلا تو یہ بغداد آئے اور راتوں رات ابا کی بہت سی کتابیں چپکے سے نکالیں اور انہیں چوری کے کپڑے لاٹھیوں کے گز کے حساب سے اونے پونے داموں پر فروخت کر دیا۔

کچھ اسی قسم کی صورتحال ہمارے زیر نظر معاملے میں بھی پیش آئی۔ ہوا یوں کہ شہ اولیاء راس الاتقیاء سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے پوتے جن کا نام عبد السلام بن عبد الوہاب رکن تھا۔ انہوں نے کچھ کتابیں ایسی لکھیں جن کے اندر نجوم اور فلسفے وغیرہ سے متعلق کچھ ایسی باتیں تھیں جو علماء کے لیے قابل اعتراض تھیں۔ اس دور کے وزیر خلافت ابن یونس حنبلی نے ایک اجتماع اور محفل میں عبد السلام بن رکن کو بلا کر کچھ لوگوں کی موجودگی میں جن میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ بھی شامل تھے، ان کی کتابیں جلوا دیں اور اس کے بعد ان کے پاس

دادا جان کا مدرسہ تھا اسے لے کر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حوالے کر دیا۔ اس ساری کاروائی کے محرکات یا حقیقی اسباب کچھ بھی ہوں ابن جوزی رحمہ اللہ اس کام میں شریک ہوں یا نہ ہوں بہر حال جس انداز سے کام کیا گیا اس سے عبد السلام کے ذہن میں بجا طور پر یہ بات آگئی کہ یہ سارا کیا کرایا ابن جوزی کا ہے۔ لہذا اس سے بدلہ لینا چاہیے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

کچھ عرصے بعد ابن یونس حنبلی کی جگہ ابن قصاب خلیفہ ناصر کا وزیر بنا۔ ابن قصاب کٹر رافضی اور شیعہ تھا اس نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی ابن یونس اور اس کے ساتھیوں کے گرد حلقہ تنگ کرنا شروع کیا۔ انہی دنوں عبد السلام بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور اسے کہا: تم ادھر ادھر تو پکڑ دھکڑ کر رہے ہو، اس ابن جوزی کا تمہیں کوئی خیال نہیں جو ناصبی (اہل بیت کا دشمن) ہے اور ابو بکر کی اولاد میں سے ہے۔ یہ ابن یونس کے نمایاں ساتھیوں میں سے تھا اسی نے میری کتابیں جلوائیں اور میرے دادا کا مدرسہ لیا۔ ایک طرف یہ سب معاملہ تیار تھا اور دوسری طرف خلیفہ مستضی باللہ کے بعد خلیفہ ناصر آیا۔ خلیفہ مستضی تو ابن جوزی رحمہ اللہ کا معتقد تھا مگر ناصر کی علامہ رحمہ اللہ سے بنی نہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو ناصر کا اپنا میلان شیعت کی طرف تھا دوسرے ابن جوزی رحمہ اللہ بھی مجالس میں اس کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ اب کیا ہوا ایک طرف ابن قصاب کی سازش اور دوسری طرف ناصر کا پہلے سے بنا ہوا ذہن۔ جب ابن قصاب نے ناصر سے ابن جوزی رحمہ اللہ کو گرفتار کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دیدی۔ وہ شیخ کے گھر آیا، رات کا وقت تھا پہلے بد تمیزی کی اور انتہائی نازیبا کلمات کہے اور پھر ان کی کتابیں اور ان کا گھر بحق سرکار سر بمہر کر دیا، اور علامہ رحمہ اللہ کے اہل خانہ کو

وہاں سے نکال کر دربدر کر دیا۔ اور خود علامہ رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے کشتی میں بٹھایا۔ اس وقت آپ کے جسم پر صرف ایک گدڑی تھی اور سر پر ہلکا سا پٹکا تھا۔ پانچ دن تک کشتی میں کھانے پینے کو کچھ نہ دیا گیا۔ کشتی واسط جا کر رکی۔ اس سارے عرصے میں عبد السلام علامہ رحمہ اللہ کے ساتھ رہا۔ جب واسط پہنچے وہاں آپ کو ایک گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور دوازے پر دربان بٹھا دیا گیا۔ کچھ طلبہ وغیرہ آجاتے تھے اور پڑھ لیا کرتے تھے، اس دوران علامہ رحمہ اللہ بہت سے اشعار لکھ لکھ کر بغداد روانہ کیا کرتے تھے۔

اس وقت علامہ رحمہ اللہ کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ اس بڑھاپے کے عالم میں پانچ سال تک آپ اس گھر میں نظر بند ہو کر رہے۔ جس میں قید یا پابندی ہی نہیں تھی بلکہ علامہ رحمہ اللہ کو وہ سارے کام جو ناز و نعم والے گھرانے اور زندگی والے لوگوں کے لیے انتہائی مشکل ہوتے ہیں، خود کرنے پڑے۔ جیسے اپنے کپڑے دھونا، کھانا تیار کرنا، کنویں سے پانی خود لانا، اور حمام تک بھی نہ جا پانا۔ لیکن اس عرصے میں بھی کمال کی بات دیکھئے فرماتے ہیں:

قرات بواسط مدة مقامي بها كل يوم ختمة.

ترجمہ: واسط میں نظر بندی کے تمام عرصے میں ہر روز ایک قرآن ختم کیا کرتا تھا۔

اور یہیں پر رہتے ہوئے جب آپ کے بیٹے آپ کی رہائی کا پروانہ لے کر آئے تو آپ نے ان کو ساتھ لے کر ابن باقلانی رحمہ اللہ سے قراءات عشرۃ پڑھیں اور پھر بغداد کے لیے رخت سفر باندھا۔ طلب علم کی حرص اور علو ہمت کی اس مثال پہ قربان جایئے۔ اس بات کو نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے نقاد

**آدمی کے قلم سے بھی یہ الفاظ نکل گئے:**

فانظر إلى هذه الهمة العالية.

یہاں سے آپ کی رہائی کا سبب ایسے پیدا ہوا کہ بغداد میں آپ کے بیٹے یوسف وعظ کہنے لگے جس کے واسطے سے ان کی رسائی خلیفہ کی والدہ تک ہوئی تو خلیفہ کی والدہ نے خلیفہ ناصر سے رہائی کے احکامات صادر کروائے۔ جب آپ بغداد آئے تو پھر وہی پہلی سی رونق اور گرما گرمی سے وعظ اور تالیف کا کام شرع کیا اور یہ کام موت تک جاری رہا۔ یعنی رہائی کے بعد تقریباً پانچ سال کا عرصہ آپ نے اپنے ان افاداتی مشاغل میں گذارا۔

## وفات اور تدفین :

**علامہ رحمہ اللہ کے نواسے ابو المظفر رحمہ اللہ کہتے ہیں:**

"نانا جان نے سات رمضان بروز ہفتہ ۵۹۷ھ کو وعظ فرمایا اور کچھ درد بھرے اشعار پر مجلس کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے اور بیمار پڑ گئے۔ آپ کی یہ بیماری پانچ دن تک چلتی رہی۔ پھر جمعے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان جان سپرد آفریں کی۔"

اس لحاظ سے آپ کا یوم وفات: ۱۳ رمضان المبارک شب جمعہ ۵۹۷ھ بنتا ہے۔

وفات کے وقت آپ کی عمر ایک تخمینے کے مطابق ۸۹ سال اور دوسرے کے مطابق ۸۵ سال بنتی ہے۔ شیخ ضیاء الدین بن سکینہ رحمہ اللہ اور شیخ ضیاء الدین بن جبیر رحمہ اللہ نے سحری کے وقت آپ کو غسل دیا۔

علامہ رحمہ اللہ کی وفات کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی اور اہل بغداد اکٹھے ہو گئے۔ بازار بند ہو گئے۔ لوگوں کے ازدحام اور کثرت کی وجہ سے تابوت کو رسیوں سے باندھا گیا یعنی بڑے بانس وغیرہ لگا دیے گئے۔ آپ کی میت کو اس جگہ

لے جایا گیا جہاں آپ وعظ کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے۔ آپ کے بیٹے ابوالقاسم رحمہ اللہ نے آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی پھر میت جامع منصور لائی گئی وہاں بھی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، اور بہت رش ہو گیا۔ اسی رش کی وجہ سے صبح کے چلے آپ کی قبر تک (جو کہ امام احمد رحمہ اللہ کے قریب تھی) پہنچنے میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ موسم گرمی کا تھا، اوپر سے گرمی، اور مہینہ رمضان کا، لوگوں نے روزے رکھے تھے، شدت پیاس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے روزے افطار کر دیے اور گرمی سے تسکین حاصل کرنے کے لیے ظاہریہ نامی خندق میں کھڑے پانی میں چھلانگیں لگائیں۔ جب آپ کو لحد میں اتارا جا رہا تھا اس وقت مسجدوں میں مؤذن (جمعہ کے لیے) اللہ اکبر کی آواز لگا رہے تھے یعنی جمعے کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ آپ کی وفات پر پورا شہر سوگوار، ہر آنکھ اشکبار، ہر دل مضطرب اور افسردہ تھا۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ گویا آپ کا جنازہ امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کی تصویر تھا:

ما بيننا وبينكم الجنائز.

ہمارے (اہل حق) اور تمہارے (اہل باطل) کے درمیان فیصلہ کن چیز ہمارے جنازے ہیں۔

رحمه الله رحمةً واسعةً.

# کچھ کتاب کی نسبت سے

ہمارے زیرِ نظر کتاب کا پورا نام یہ ہے:

"الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید"

جس کا ترجمہ ہے: اس ضدی اور ہٹ دھرم شخص کا جواب جو یزید کی مذمت سے روکتا ہے۔

## استنادی حیثیت:

یہ کتاب علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ہی تالیف ہے یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ درج ذیل علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیف کے طور پر ذکر کیا ہے۔

(۱) سبط ابن جوزی..... تذکرۃ الخواص..... صفحہ ۲۸۷

(۲) ابن اثیر..... الکامل فی التاریخ..... ص ۲۶۵ ج ۸

(۳) ابن کثیر..... البدایۃ والنہایۃ..... ص ۲۲۳ ج ۴

(۴) ابن تیمیہ..... منہاج السنۃ..... ص ۵۷۴

(۵) ابن رجب..... ذیل طبقات الحنابلۃ.... ص ۳۵۶/۴۱۷

(۶) علامہ ذہبی..... سیر اعلام النبلاء..... ص ۱۶۰ ج ۲۱

(۷) ابن حجر ہیثمی..... الصواعق المحرقۃ..... ص ۲۲۲

(۸) حاجی خلیفہ..... کشف الظنون..... ص ۸۳۹ ج ۱

(۹) اسماعیل پاشا..... ہدیۃ العارفین..... ص ۵۲۱ ج ۱

(۱۰)الخوانساری.....روضات الجنان.....ص۳۶ج۵

(۱۱)عبدالحمید علوجی.....مولفات ابن الجوزی.....۱۰۳

مذکورہ بالا حضرات میں سے بعض نے کتاب کا مکمل نام ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے (عبدالمغیث حنبلی کے رد میں) یزید پر لعنت کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے۔

## زمانۂ تالیف :

کتاب کی تالیف کا زمانہ بالتعیین تو معلوم نہیں، البتہ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۵۷۵ھ کے بعد کی تالیف ہے کیونکہ ۵۷۵ھ کو خلیفہ ناصر تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا اور یہ واقعہ اس کی مجلس کا ہے (جیسا کہ مقدمہ کتاب میں مذکور ہے) اور ۵۸۵ھ کو اس کتاب کے مخاطب اور موضوع سخن عبدالمغیث حنبلی صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ لہذا اس تالیف کا زمانہ لامحالہ ۵۷۵ سے لیکر ۵۸۵ھ کے درمیان کا ہے جس وقت کہ علامہ رحمہ اللہ کی عمر ۶۵ یا ۷۰ سال تھی۔

## سبب تالیف :

کتاب کا سبب تالیف خود علامہ رحمہ اللہ نے اپنے مقدمے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کی مجالس وعظ کی مقبولیت اور عوام کے اس میں شرکت کے قصے تو معروف ہی ہیں۔ ان مجالس میں علامہ رحمہ اللہ سے لوگ مختلف موضوعات پر سوال بھی کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی موقع پر ایک سائل نے یہ سوال کیا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ رحمہ اللہ نے اس سے یہ کہا کہ ہمارے لیے اس معاملے میں سکوت زیادہ مفید ہے۔ سائل نے اصرار سے کہا کہ سکوت کے مفید اور بہتر

ہونے کا تو مجھے بھی معلوم ہے میرا مقصد تو یہ ہے کہ لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں علامہ رحمہ اللہ نے بڑے حکیمانہ انداز سے جواب دیا اور خود اہل مجمع سے ہی پوچھا بھلا آپ ہی بتائیں!

> ایک آدمی کو تین سال حکومت ملی۔ اس نے پہلے سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور دوسرے سال اہل مدینہ کو ستایا اور مدینہ منورہ کو مباح عام کر دیا، اور تیسرے سال کعبے پر منجنیقوں سے گولہ باری کی اور اسے گرایا۔ آپ ہی بتایئے ایسے آدمی کے بارے میں آپ کا رویہ کیسا ہونا چاہیئے؟
>
> لوگوں نے کہا: ہم تو اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے کہا بس لعنت کرو، پھر خود بھی خلیفہ ناصر اور بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں بر سر منبر اس پر لعنت کی۔ (تذکرۃ الخواص، ص۲۹۱)

جب یہ بات عبد المغیث حنبلی کو پہنچی تو اس نے علامہ رحمہ اللہ کی اس بات کے جواب میں ''فضائل یزید'' نامی ایک رسالہ لکھ دیا، علامہ رحمہ اللہ نے اس کتاب کا تحریری شکل میں رد لکھا، جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں علامہ رحمہ اللہ نے صاحبِ کتاب اور ان کے دلائل کے خوب لتے لیے۔ جس کی تفصیل کتاب میں ملے گی۔

## ''فضائل یزید'' علماء کی نظر میں:

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ صرف علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ہی اس کتاب سے براءت، اور نفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ دیگر اہل علم نے بھی اس کو بنظر استحسان قطعاً نہیں دیکھا۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أتى فيه بالعجائب.

ترجمہ: عبد المغیث نے اس کتاب میں عجیب وغریب باتیں کی ہیں۔

**علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**

أتى فيه بالغرائب والعجائب، وقد رد عليه ابن الجوزى رحمہ اللہ فأجاد وأصاب.

ترجمہ: عبد المغیث نے اپنی اس کتاب میں نئے نئے گل کھلائے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس کا رد لکھا ہے اور خوب ٹکا کر لکھا ہے اور بالکل صحیح باتیں لکھی ہیں۔

اس سے زیر نظر اصل مسئلے یعنی مقام یزید کے حوالے سے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اپنی رائے اور طرز بھی سامنے آتا ہے کہ وہ فضائل یزید کے مقابلے ذم یزید کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس پر لکھی ہوئی تالیف کو جید اور صواب قرار دے رہے ہیں۔

**اور صیرفی رجال علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے عبد المغیث پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا:**

أتى فيه بالموضوعات. (العبر للذهبي)

ترجمہ: عبد المغیث صاحب نے اس کتاب میں موضوع اور من گھڑت روایتیں ذکر کی ہیں۔

**صرف اسی پر بس نہیں۔ آگے فرمایا:**

أتى فيه بعجائب وأوابد لو لم يؤلفه لكان خيراً.

ترجمہ: عبد المغیث صاحب نے اس تالیف میں بوالعجبیاں، دور از کار، اور بے تکی باتیں اکٹھی کی ہیں۔ اگر وہ یہ کتاب نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔

## عبد المغیث حنبلی کا علمی مقام:

یہ تو کتاب پر تبصرہ تھا، اب ذرا ایک نظر مصنف کتاب یعنی عبد المغیث حنبلی

صاحب کے علمی مقام پر بھی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جناب کے علمی قد و کاٹھ کا کچھ اندازہ تو زیر نظر کتاب میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تحریر سے ہو جائے گا اس کے علاوہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

له غلطات تدل على قلة علمه. (سير أعلام النبلاء)

ترجمہ: عبد المغیث صاحب کی متعدد ایسی غلطیاں ہیں (جو صرف غلطیاں ہی نہیں بلکہ) وہ (اپنی نوعیت کے اعتبار سے) حنبلی صاحب کی کم علمی کا شاخسانہ اور مظہر ہیں۔

# یزید کے بارہ میں اکابر علماءِ اہل سنت کا مسلک وموقف

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور چالیس سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے آپ اکابر کے مزاج شناس اور اُن کے مسلک کے ترجمان ہیں آپ یزید کے بارہ میں اکابر واسلاف کا نظریہ بہت ہی واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

بہر حال یزید کے فسق وفجور پر جب کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مانعین ہوں یا مخالفین، پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور انکے بعد علماءِ راسخین، محدثین، فقہاء مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا الہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماءِ سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اسی کے قائل ہیں پھر بعض ان میں سے اس فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنی بھی کہہ رہے ہیں جس سے اس کا قطعی ہونا بھی واضح ہے۔ پھر اوپر سے ائمہ اجتہاد میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک الکیا الہراسی نقل کر رہے ہیں اور وہ خود شافعی ہیں اور فتویٰ دے رہے ہیں تو انکی نقل ہی سے یہ مسلک امام شافعی اور فقہ شافعی کا بھی ثابت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح رہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں جسے مورخین نے بطور تاریخی ریسرچ کے پیش کر دیا ہو، بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے جو عقیدہ اور مسئلہ کی لائین سے ان اربابِ حدیث وفقہ نے اپنی کتب عقائد ومسائل میں اس کا ذکر کیا ہے الخ۔

(شہید کربلا اور یزید۔ ص ۱۵۲)

اللہ پاک ہم سب کو ہمارے اکابر کے نقش و قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

# یزید کی شخصیت

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مترجم

مفتی شعیب احمد

# خطبہ

الحمد لله الذي نجانا بالعلم من موافقة الضلال والاهواء، وسلمنا من موافقة الجهال الغوغاء، وأشهد أن لا إله الا الله وحده لا شريك له شهادة الموقنين العلماء، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله سيد المرسلين وخاتم النبيين وعلى أهل بيته الطاهرين الفضلاء وعلى آله وأتباعه إلى يوم الحشر والجزاء وسلم.

ترجمہ: تمام تعریفوں کا سزاوار وہی خدائے وحدہ لاشریک ہے جس نے ہمیں اپنے لطف وعنایت سے گمراہوں اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں ملانے سے محفوظ رکھا، اور جاہل لوگوں کے فضول شور وغل اور چخ چخ کی موافقت وتایید سے ہمارا دامن بچایا۔ میں اپنے تہہ دل سے ایمان وایقان کی گہرائی کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول بلکہ سید الرسل اور خاتم الانبیاء ہیں۔ قیامت کی صبح تک خدا کی رحمتیں اور درود وسلام ہوں اس ہستی پر اور ان کے پاکیزہ اور ارباب فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم پر اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام کے تمام پیروکاروں پر۔ آمین ثم آمین

## زیرِ نظر تحریر کا پس منظر

میری وعظ کی مجلس میں ایک سائل نے یزید کی ذات کے بارے میں سوال کیا اور اس بارے میں بھی پوچھا جو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اسی

طرح جو اس نے مدینہ منورہ میں لوٹ مار مچائی۔ ان سب باتوں کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے اس سائل کو جواباً کہا:

یکفیه مافیه. وہ جس مقام میں ہے اس کو وہی کافی ہے۔

والسکوت أصلح: اور (ہمارے لیے) سکوت اور خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

میری یہ بات سن کر سائل نے کہا اتنی بات تو مجھے بھی معلوم ہے کہ سکوت زیادہ بہتر ہے میرا پوچھنے کا مقصد تو یہ ہے کہ کیا اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس سوال کا مختصراً یہ جواب دیا:

"بہت سارے محتاط اور زہد و تقوی والے اہل علم نے اس پر لعنت کو روا رکھا ہے۔ ان علماء میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام بھی شامل ہے"۔

میری مجلس وعظ کی یہ گفتگو ایک ایسے صاحب کے پاس پہنچی جنہوں نے احادیث اور مرویات کا علم تو حاصل کیا تھا، لیکن عامیانہ تعصب کی چادر نہیں اتاری تھی۔ ان صاحب نے میری اس بات کی نہ صرف تردید کی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے یزید کی حمایت میں ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اسے ہمارے ایک عزیز دوست کے پاس بھیج دیا۔ میرے عزیز نے مجھ سے التماس کی کہ میں اس رسالے کا جواب اور رد لکھوں۔ میں نے اپنے اس دوست سے عرض کیا:

"مجھے تو پہلے سے ہی پتہ تھا کہ یہ صاحب (یعنی عبد المغیث حنبلی) کم علمی اور ناسمجھی کا شکار ہیں حالانکہ محدث تو سمجھ بوجھ اور خرد و دانش والے ہوتے ہیں۔"

یعقوب بن اسحاق فرماتے ہیں:

لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

ا۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو علم بھی رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا

ادراک بھی ہے کہ ہمارے پاس علم ہے، یہ قسم علماء کی ہے۔ ان سے علم کی باتیں اور دین وشریعت حاصل کرو۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو رکھتے ہیں لیکن انہیں یہ احساس واستحضار نہیں کہ ان کے پاس علم ہے۔ ایسے لوگ بھولے ہوئے ہیں انہیں یاد دلاؤ۔

۳۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم تو نہیں رکھتے البتہ انہیں یہ احساس ضرور ہے کہ ہمارے پاس علم نہیں۔ یہ قسم طلب والے لوگوں کی ہے ان کو علم دین سکھاؤ۔

۴۔ چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو نہ تو علم کے حامل ہیں اور نہ ہی انہیں یہ خبر ہے کہ ہم علم سے تہی دامن ہیں۔ یہ لوگ جاہل محض ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو (یعنی منہ نہ لگاؤ)۔

## عبدالمغیث حنبلی کا علمی پایہ

ہمارے موصوف (یعنی حمایت یزید میں قلم اٹھانے والے صاحب) ایسے ہیں کہ انہیں نہ تو منقولات کا پتہ ہے اور نہ ہی معقولات کی سمجھ بوجھ۔ حدیث کی روایت اور عبارت تو پڑھ لیتے ہیں، لیکن صحیح اور ضعیف کی پہچان سے تہی دامن ہیں، مقطوع روایت کو موصول سے جدا نہیں کر پاتے، صحابی اور تابعی کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے، ناسخ ومنسوخ میں تمیز کی اہلیت نہیں اور نہ ہی دو مختلف حدیثوں میں تطبیق وتوفیق کے فن سے آشنا ہیں۔

ایک طرف یہ نا اہلیت اور دوسری طرف عامیانہ تعصب کا چشمہ بھی اپنے دیدہ بصیرت پر چڑھا رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کا طرز یہ ہے کہ جب بھی اپنی من پسند اور اپنے قائم کردہ نظریے کے موافق کوئی حدیث دیکھتے ہیں تو اس

کو قبول کر کے اسے اپنی دلیل بنا لیتے ہیں، چاہے فہم و ادارک والے دیگر علماء و فقہاء (دوسری احادیث کی بنا پر) اس کے خلاف ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں۔

## علمِ حدیث سے تہی دامنی

ہم نے ان صاحب کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ فن حدیث سے نابلد ہیں، اس کی دلیل اور وضاحت یہ ہے کہ یہ صاحب اپنے مقاصد کے لیے ایسی حدیثوں سے بھی استدلال کرنے سے نہیں جھجکتے جن کی سند میں کذاب اور اعلی درجے کے دروغ گو اور جھوٹے راوی ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ صاحب سچے اور جھوٹے راوی کے درمیان امتیاز کرنے کی اہلیت سے قاصر ہیں۔ عبدالرحمان بن عیسی فقیہ رحمہ اللہ نے مجھے یہ بتایا کہ مجھے ان صاحب نے ایک موقع پر یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں (۷)۔

ملاحظہ فرمایئے!

جس آدمی کو اس جیسی مشہور اور متفقہ طور پر صحیح قرار دی جانے والی حدیث کے بارے میں ہی علم نہیں وہ اپنے محدث ہونے کا بلند بانگ دعویٰ کیسے کر سکتا

---

۷۔ حدیث سقیفہ کے صحیح میں نہ ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱)۔ یہ حدیث "صحیح بخاری" میں نہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو پھر یہ بات اتنی بڑی غلطی نہیں۔ کیونکہ "بخاری شریف" میں احادیث کی ترتیب ایسی ہے کہ بسا اوقات حدیث پر اچھی خاصی نظر رکھنے والے حضرات کو بھی تگ و دو کے باوجود ایک حدیث "بخاری" میں نہیں ملتی، اور وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث "صحیح بخاری" میں نہیں۔ حالانکہ وہ حدیث "بخاری" میں موجود ہوتی ہے۔ (۲)۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح کے زمرے میں شامل نہیں۔ اگر علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے تو پھر یہ بات واقعتاً غلطی ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کا مقصد بظاہر یہی ہے البتہ الفاظ ایسے ہیں کہ جن سے دوسرا مطلب بھی بآسانی نکل سکتا ہے۔

ہے؟ اسی طرح ایک دفعہ میرے سامنے انہوں نے یہ کہا کہ "مسلم بن یسار کبار صحابہ میں سے تھے" میں نے ان سے کہا (خدا کا خوف کریں) ان کا صحابی ہونا تو کسی نے بھی نہیں کہا۔ وہ تو تابعی ہیں۔

## صفاتِ باری تعالیٰ میں غلو

پھر یہ صاحب اپنی عصبیت ہی کی بدولت (خدا تعالیٰ کی صفات کے بارے میں) تشبیہ و تجسیم [۸] کی جانب جھک گئے۔ انہوں نے حدیث استلقاء میرے پاس لکھ کر بھیجی اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا فرما چکے تو چت (گدی کے بل) لیٹ گئے اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ دیا (سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون)۔ روایت نقل کرنے کے بعد ان صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ حدیث صحت میں اس پائے کی ہے کہ "بخاری" و "مسلم" کو چاہیے تھا کہ اس کو روایت کرتے۔

---

۸۔ اہل تجسیم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم یا جسم کے لوازمات کو ثابت کرتے ہیں۔ یعنی یا تو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھی عام مخلوق کی طرح کا جسم ہے یا صراحتاً جسم کا اطلاق تو نہیں کرتے لیکن ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں جن سے جسمیت لازم آتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ کو مخلوق میں معروف معنیٰ میں لینا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اجزاء ہیں اور کام کرنے کے آلات ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے مشابہ ہونا اور محتاج ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ مخلوق کے مشابہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ} [الشوری:۱۱] "اس طرح کا سا کوئی نہیں" اور نہ کسی کے محتاج ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ} [فاطر:۱۵] "اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا"۔

میں نے ان سے کہا تمہارا ناس ہو! یہ حدیث تو صحیح بھی نہیں ہے [۹] بلکہ قبولیت کے کسی بھی درجے میں نہیں۔ نہ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے تسلیم کیا اور نہ ہی ابو داؤد اور ترمذی نے اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں جگہ دی اور ایسا ہوتا بھی کیسے کیونکہ اس روایت میں علت اور گڑبڑ ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب "منهاج الوصول إلى علم الأصول" میں دے دی ہے۔

اور میں نے ان کے یہ بھی گوش گذار کیا کہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہونے والی تمام کی تمام احادیث کو میں نے اکٹھا کیا ہے اور ان میں سے صحیح اور غیر صحیح کی تفریق و تمیز بھی کر دی ہے۔ (اس لیے مجھے یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ تمہاری ذکر کردہ روایت کا علمی پایہ کیا ہے)۔ اس پر وہ کہنے لگے: میرا یہ مقصود نہیں کیونکہ غیر مقبول حدیث کو بیان کرنے میں "دروغ بر گردنِ راوی ہوتا ہے" یعنی ہمیں احتیاط کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا: تمہارا ناس ہو! کیا حق تعالیٰ کے معاملے میں یہ تساہل اور ناانصافی برتی جا رہی ہے کہ اس کو مخلوق پر قیاس کیا جا رہا ہے۔

## علمِ فقہ میں بے بضاعتی

(یہ تو علم حدیث میں ان صاحب کا علمی پایہ تھا) اب رہی بات (ایک دوسرے جلیل القدر علم) علم فقہ کی تو اس میدان میں بھی ہمارے موصوف بالکل کورے ہیں اور انہیں کچھ سوجھ بوجھ نہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ان صاحب نے بے شمار ایسی احادیث بیان کیں جن کے بارے میں اہل علم کی رائے ان کے مخالف تھی۔ جب ان سے کہا گیا کہ فقہاء کا اجماع خصوصاً خود آپ کا فقہی

---

۹۔ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (۱۵۹ ج ۲۱)

مذہب و مسلک تو اس کے مخالف ہے تو یہ (جسارت و جرأت سے) کہہ گئے میرے لیے فقہاء کے قول کی پابندی کرنا ضروری نہیں۔ ان کی فقہی بے احتیاطی اور کم علمی کا ایک نمونہ ایک نکاح کا قصہ بھی ہے جو ہمیں فقیہ ابو طاہر صدر نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ”ان صاحب نے ایک آدمی کا نکاح پڑھایا اور ایجاب و قبول میں یہ کہا کہ ”میں نے اپنے حق وکالت کے ذریعے اپنے فلاں بھائی کی بیٹی سے تمہارا نکاح کیا“ فقیہ کہتے ہیں: جب میری اس دولہے سے ملاقات ہوئی جس کا انہوں نے نکاح پڑھایا تھا تو میں نے اس سے کہا تمہارا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ چنانچہ نہ تو وہ عورت تمہاری بیوی ہے اور نہ تم اس کے قریب جا سکتے ہو کیونکہ جن صاحب نے تمہارا نکاح پڑھایا ہے انہوں نے نکاح کا ایجاب کراتے وقت تمہاری ہونے والی بیوی کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ صرف فلاں کی بیٹی کہہ دیا ہے کوئی تعیین نہیں کی، حالانکہ اس فلاں کی تو چار بیٹیاں تھیں، اب کیا پتہ کون سی بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح ہوا ہے۔ اس واقعے سے عام لوگوں کو بھی ان کی فقہ میں بے بضاعتی کا اندازہ ہو گیا اور انہیں اس بات پر تعجب بھی ہوا۔“

## ایک محدث کا علمی لطیفہ

ان صاحب کے اس نکاح خوانی کے قصے سے مجھے ایک اور قصہ بھی یاد آ گیا۔ ہوا یوں کہ علی بن داود محدث رحمہ اللہ ایک دفعہ درس حدیث دے رہے تھے اور ان کے سامنے ایک ہزار کے قریب لوگ حدیث کا سماع کر رہے تھے اس دوران ایک عورت ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آ گئی اس نے عرض کیا میں نے اپنی چادر

صدقہ کرنے کی قسم اٹھائی (یا نذر مانی) تھی اب کیا کروں؟ علی بن داود نے اس سے پوچھا تم نے وہ چادر کتنے میں خریدی تھی؟ وہ کہنے لگی ۲۲ (بائیس) درہم میں۔ علی بن داود نے کہا: جاؤ بائیس روزے رکھ لو۔ جب وہ عورت چلی گئی تو یہ کہنے لگے اوہو! ہم سے چوک ہوگئی۔ بخدا! ہم نے تو اسے کفارہ ظہار کا حکم دے دیا (بلکہ حقیقت کے اعتبار سے چوک میں بھی چوک ہوگئی کیونکہ بائیس روزوں کا حکم تو کفارہ ظہار کا بھی نہ تھا۔ وہ اس کو کفارہ اظہار سمجھ بیٹھے۔ اسی لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور سچ فرمایا ہے: "الفقهاء أعلم بمعاني الحديث" یعنی حدیث کے مطالب و مقاصد اور علوم و معارف کو فقہاء بہتر جانتے ہیں۔ ایک دوسرے محدث فقہاء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: يا معشر الفقهاء نحن الصيادلة وانتم الاطباء، اے فقہاء کی جماعت! ہم محدث لوگ تو پنساری ہیں جن کے پاس دوائیں تو رکھی ہیں لیکن ان کا استعمال نہیں جانتے) اور تم لوگ طبیب ہو)۔

## بے ادب بے نصیب

ان صاحب (یعنی عبد المغیث حنبلی) کی قلت علم کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی قبر کے سرہانے اپنے لیے قبر کھدوائی۔ میں نے ان سے کہا: آپ کا یہ عمل تین خرابیوں پر مشتمل ہے:

۱۔ قبرستان کی اس زمین میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے (کسے باشد) اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنے دفن ہونے کے لیے جگہ خاص کرے۔ یہ تو مسجد کی طرح ہے جو پہلے آجائے گا وہ بیٹھنے کا حقدار ہوگا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات اور تدفین کو تین

سو سال کے قریب کا زمانہ گذر گیا ہے اس دوران ان کی قبر کے آس پاس جگہ خالی تو نہیں رہی۔ لوگ تدفین کرتے رہے ہیں اور آس پاس قبریں بنتی رہی ہیں اور اس قبر کے آس پاس اب بھی بے شمار اوپر تلے قبریں ہیں۔ جس جگہ تم نے قبر کھدوائی ہے وہاں لامحالہ کسی مسلمان کی قبر ہو گی تمہیں اس کو کھولنے اور کھودنے کی ہمت کیسے ہو گئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَسرُ عَظمِ المَيت ككسره حياً.

ترجمہ: مردہ آدمی کی ہڈی توڑنا بھی ایسے ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا۔

میری یہ بات سن کر وہ صاحب کہنے لگے میں نے جگہ تو کھودی ہے لیکن مجھے کوئی ہڈی نظر نہیں آئی۔ میں نے کہا (یک نہ شد دو شد) یہی تو مصیبت ہے۔ اس جگہ اتنا طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے ہڈیاں سلامت حالت میں نہ سہی ان کا برادہ اور چورا تو لامحالہ ہو گا اور وہ بھی ظاہر ہے قابل احترام ہے۔ بہر حال تمہارا یہ اقدام کسی طرح بھی درست نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب تمہیں اس قبر میں دفن کیا جائے گا تو تمہارے پاؤں امام احمد رحمہ اللہ کے سر کے پاس ہونگے کیونکہ تمہارے پاؤں اور امام کے سر کے درمیان سوائے تختی کے اور کوئی حائل اور رکاوٹ نہیں اور ایسا ہونا ظاہر ہے بے ادبی ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد مروذی رحمہ اللہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مجھے امام کے سامنے دفن کرنا تاکہ میں جیسے زندگی میں ان کے سامنے بیٹھ کر زانوئے تلمذ تہ کیا کرتا تھا ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اپنے استاذ کے قدموں میں جگہ پاؤں۔

بہر حال! میں نے اس طرح دلائل کے ساتھ اپنی بات ان کو سمجھانے کی

کوشش کی، لیکن انہوں نے تعصب سے کام لیتے ہوتے اس پر کان نہ دھرا اور اپنی من مانی پہ قائم رہے۔

## بے عقلی کا مظاہرہ

(آپ ان صاحب کی علم حدیث میں کم علمی اور علم فقہ میں بے بضاعتی تو ملاحظہ فرما چکے ہیں اب ان کی سوء فہم اور بے عقلی کا بھی مشاہدہ کیجئے)۔

مجھے فقیہ ابو البقاء محب الدین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک دن حجۃ الاسلام ابن خشاب رحمہ اللہ کے پاس ہم دونوں یعنی میں اور عبد المغیث حنبلی اکٹھے بیٹھے تھے وہاں ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے کہ ایک صاحب نے عہد رسالت میں پیدل حج کی نذر مان لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی اور بے نیاز ہے کہ یہ آدمی اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں ڈالے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اسے اس مصیبت میں ڈالنے سے کوئی سروکار نہیں وہ تو غنی ہے۔

یہ حدیث سن کر عبد المغیث صاحب کہنے لگے آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تکلیف دینے سے غنی ہے، حالانکہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں کتنے ہی احکام کی تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔

فقیہ ابو البقاء کہتے ہیں: ہمیں بہت تعجب ہوا کہ یہ صاحب کیسے ناسمجھ اور بے عقل ہیں کہ انہوں نے اپنے خیال میں تمام شرعی ذمہ داریوں اور احکام کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ کا مفاد اور اس کی غرض کو کارفرما سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ گویا ہمیں احکامات دے کر نعوذ باللہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا اللہ کو ہمارے نماز روزے کی ضرورت ہے۔ سبحانہ وتعالی عما یصفون)

## آمدم برسرِ مطلب

(باقی شواہد ایک طرف) ان کی علمی بے مائیگی، ناسمجھی اور عامیانہ تعصب کے اظہار کے لیے ایک ہی مثال کافی ہے اور وہ یہ کہ ان صاحب نے سبط پیمبر علیہ السلام صحابی رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں یزید کی طرفداری کی اور اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھ دی جس میں یزید کی حمایت و تایید کا بیڑا اٹھایا اور مجھ سے نالاں و شکوہ کناں ہوئے کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تائید و حمایت کیوں کی اور یزید کو بُرا بھلا کیوں کہا (گویا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے)۔

ہمارے شیخ ابو الحسن ابن زاغونی نے نقل کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ولو أني بليت بهاشمي
خولته بنو عبد المديني
صبرت على عداوته ولكن
تعالوا فانظروا بمن ابتلاني

ترجمہ: اگر میری آزمائش کسی ایسے شخص سے ہوتی جو بنو ہاشم سے ہے اور اس کا ننہیال بنو عبد مناف ہے، تو میں اس کی دشمنی پر صبر کر لیتا، لیکن آؤ دیکھو! تم نے مجھے کس کی آزمائش میں ڈالا ہے۔

## لعنتِ یزید کا مسئلہ

(جب عبد المغیث حنبلی کی طرف سے حمایت یزید میں رسالہ آیا اور جن صاحب نے مجھ سے اس کے جواب کا مطالبہ کیا تھا انہوں نے عبد المغیث کے بارے میں مذکورہ باتیں سنیں تو کہنے لگے) آپ ان صاحب کو چھوڑیے اور مجھے

ہمارے زیر بحث اصل معاملے یعنی یزید کی مذمت کے حوالے سے صحیح موقف اور درست بات بتایئے۔ چنانچہ میں نے ان کی طلب کو دیکھتے ہوئے عرض کیا:

اگر یہ صاحب صرف اپنی بات میں اتنا ہی مؤقف اپناتے کہ ہمیں کسی کی مذمت اور لعن طعن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے تو یہ بات ہمیں بھی تسلیم ہے (کیوں کہ اس کے علاوہ کام بہت ہیں، جو باعث اجر و ثواب بھی ہیں) اگرچہ بعض سلف سے یہ منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے میرے قرآنی نسخے سے لا الہ الا اللہ کو نکالنا تو مجھے گوارا ہو سکتا ہے لیکن میں اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں سے خدا کی طرف سے ابلیس پر ہونے والی لعنت نکالی جائے۔

لیکن بہر حال! ان صاحب کی طرف سے اگر محض اتنی بات ہوتی کہ چھوڑو بس! ہمیں اپنا وقت کسی کے لعن طعن اور مذمت میں ضائع نہیں کرنا چاہئے، تب تو برداشت ہو سکتی تھی، لیکن انہوں نے اس سے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے الٹا یزید کی مذمت اور اس پر لعنت کو جائز کہنے والوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اس طرح کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ تو نری کھلی کھلی جہالت اور بے علمی ہے کیونکہ قابل لعنت آدمی پر لعنت کرنے اور قابل مذمت آدمی کی مذمت کرنے کی بڑے بڑے علماء نے اجازت دی ہے۔

## امام احمد رحمہ اللہ اور مذمتِ یزید

ان علماء میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام بھی ہے۔ بلکہ یزید کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ نے لعنت سے بڑھ کر بھی بات ذکر فرمائی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد مہنا بن یحییٰ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رحمہ اللہ سے یزید کے بارے میں استفسار کیا تو وہ فرمانے لگے:

هو الذي فعل بالمدينة ما فعل.

ترجمہ: مدینے میں سارا اسی کا تو کیا کرایا تھا۔

میں نے عرض کیا: کیا کیا؟ امام رحمہ اللہ نے فرمایا: اس نے مدینے میں لوٹ مار مچائی تھی (یہ اشارہ ہے مشہور واقعے (وقعہ حرہ) کی طرف جس کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی)۔

مہنا رحمہ اللہ کہتے ہیں:

میں نے پھر امام رحمہ اللہ سے پوچھا کیا: ہم یزید سے روایتِ حدیث کر سکتے ہیں؟

امام احمد رحمہ اللہ نے بڑی سختی سے فرمایا:

"اس سے کوئی حدیث روایت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کے واسطے سے منقول کوئی روایت لکھنے کی کسی کو گنجائش ہے"

مہنا رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا:

جب مدینے کا یہ قصہ ہوا تو اس کے ساتھ کون لوگ تھے؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل شام اس کے ساتھ تھے۔

اسی طرح قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب "المعتمد فی الوصول" میں اپنی سند کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ کے صاحب زادے صالح بن احمد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ سے عرض کیا:

لوگ یہ مشہور کرتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی اور طرف دار ہیں؟

والد صاحب رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا:

میرے بیٹے! کیا اللہ پر ایمان رکھنے والا کوئی آدمی یزید کی حمایت وطرف داری کر سکتا ہے؟

میں نے عرض کیا پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

والد صاحب نے فرمایا تم نے مجھے کبھی کسی چیز پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟ (یعنی باوجودیکہ بہت سی اشیاء واقعتاً لعنت کے قابل ہیں لیکن میں ان پر لعنت نہیں کرتا۔ چنانچہ میرے لعنت نہ کرنے سے ان چیزوں کا قابل لعنت نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہمارے زیر نظر معاملہ بھی ہے)۔

پھر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

جس شخص پر اللہ نے خود قرآن میں لعنت کر دی ہے وہ ملعون کیوں نہ ہو گا، اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے؟ میں نے عرض کیا اللہ نے قرآن میں کس جگہ یزید پر لعنت کی ہے؟ امام احمد نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ. [محمد: ۲۲، ۲۳]

ترجمہ: تو پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے رشتے ناطے توڑو یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت اور ان کو بہرا اور آنکھوں سے اندھا کر دیا ہے۔

قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے لعنت کے مستحق لوگوں پر ایک پوری کتاب لکھی ہے اور ان میں یزید کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ابو یعلی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں:

الممتنع من ذلک إما أن یکون غیر عالم بجواز ذلک أو منافقاً یرید أن یوهم بذلک.

ترجمہ: یزید پر لعنت کرنے سے دو ہی آدمی اجتناب اور احتراز کرتے ہیں۔ یا تو وہ آدمی جسے اس کے جائز ہونے کا علم نہ ہو یا وہ آدمی جو منافق

ہو اور ایسا کرنے سے اس کے پیش نظر یہ ہو کہ وہ لوگوں کو چکر دے۔

بعض اوقات جاہل قسم کے لوگ لعنت یزید سے روکنے کے لیے اس حدیث کا بھی سہارا لیتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: المؤمن لا یکون لعاناً کہ مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ لیکن (اس کا یہ مطلب نہیں کہ لعنت سرے سے جائز ہی نہیں کیونکہ یہ بات احادیث کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی آگے آرہا ہے بلکہ) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ لعنت کے مستحق نہیں ان پر لعنت کرنا کسی مؤمن کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ (علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے "سبل السلام" میں لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو بکثرت لعن طعن کرتا ہو جیسا کہ "فعال" کا لفظ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حاشیہ)

یہ ساری باتیں قاضی ابوالحسین رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تصنیف کی ہیں۔

## احادیث سے لعنت کا جواز

واضح رہے کہ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت آئی ہے جن کے عمل یزید کے کرتوتوں کے عُشر عشیر کو بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

لعن اللہ الواشمات والمتوشمات والمتنصمات.

ترجمہ: اللہ لعنت کرے جسم گودنے اور گدوانے والی عورتوں پر اور لعنت کرے اپنے چہرے کے بال اکھاڑنے والی عورتوں پر اور لعنت کرے اپنے دانتوں میں محض زینت کے حصول کی خاطر فاصلہ بنوانے والی عورتوں پر۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں: "لعن اللہ الواصلة والمستوصلة

والواشمة والمستوشمة'' کے الفاظ آتے ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ذی روح چیز کو نشانہ بنانے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ تمام کی تمام احادیث ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کو روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن الله المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء.

ترجمہ: عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہو۔

اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جسم گودنے والیوں اور جسم گدوانے والی عورتوں پر، سود کھانے والوں اور سود کھلانے والوں پر اور تصویرسازی کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ ''مسلم شریف'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے اور اس کے گواہوں اور اس کی لکھت پڑھت کرنے والے، تمام لوگوں پر لعنت فرمائی۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''معلون ہے وہ آدمی جو اپنے باپ کو بُرا بھلا کہے، معلون ہے وہ آدمی جو اپنی ماں کو گالی دے، ملعون ہے وہ آدمی جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو زمین کی حدود میں ردوبدل کرے، ملعون ہے وہ آدمی جو کسی اندھے کو راستہ سے بھٹکائے، ملعون ہے وہ آدمی جو جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اور ملعون ہے وہ آدمی جو

سدومیت (لواطت) کا عمل کرے۔" (مسند احمد)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"شراب دس طرح کی لعنت کی موجب ہے:

۱۔خود شراب پر لعنت ہے، ۲۔اس کے پینے والے پر لعنت، ۳۔اس کے پلانے والے پر لعنت، ۴۔ اس کے فروخت کرنے والے پر لعنت، ۵۔ اس کے خریدنے والے پر لعنت، ۶۔اس کے نچوڑنے والے پر لعنت، ۷۔اس کے نچڑوانے والے پر لعنت،۸۔اس کو اٹھانے والے پر لعنت،۹۔ جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اس پر لعنت، ۱۰۔اس کی کمائی کھانے والے پر لعنت۔(حوالہ بالا)

واضح رہے کہ اس طرح صریح الفاظ میں لعنت والی احادیث بے شمار ہیں جیسے لعنت ہو اس شخص پر جو اپنے آقاؤں کے علاوہ دیگر لوگوں سے رشتہ ولاء استوار کرے (مسند احمد) اور لعنت ہو قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر وغیرہ وغیرہ۔ (ان احادیث کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے اتنے گناہوں پر لعنت ہو سکتی ہے تو یزید پر کیوں نہیں ہو سکتی؟)

## زیرِ نظر رسالے کی ترتیب

(لعنت کے جواز کے متعلق تمہیدی باتیں عرض کرنے اور ان صاحب یعنی عبدالمغیث حنبلی کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف آتے ہی)۔ پیش آمدہ سطور میں ترتیب یہ ہو گی کہ پہلے یزید کے ذاتی حالات، اس کی حکومت اور دورِ حکومت میں رونما ہونے والے واقعات وسانحات کا تذکرہ ہو گا جن سے انداز ہو گا کہ یزید کی مذمت کی جانی چاہیے۔ یہ حالات وواقعات ابو بکر بن

ابی الدنیا، طبقات ابن سعد اور امام ابو جعفر طبری وغیرہ کی ذکر کردہ روایات سے لیے گئے ہیں۔ اولاً یہ حالات ہونگے اور پھر اس کے بعد ہمارے موصوف کی طرف سے یزید کی حمایت و نصرت اور تعریف و توصیف میں پیش کیے گئے دلائل کا جائزہ لیا جائے گا۔ (واللہ المستعان)

ویسے ایک بات قابل غور ہے کہ آدمی ہمیشہ اسی کی خیر خواہی اور حمایت کرتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے۔ ان صاحب نے یزید کی خیر خواہی کی ہے جو یزید کے ساتھ ان کی محبت کی آئینہ دار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"المرء مع من أحب" آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

(اللہ ہمیں نیک لوگوں محبت نصیب فرمائے اور برے لوگوں کی محبت سے بچائے۔ آمین)

## یزید کی جانشینی کی مہم

سن ۵۶ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے بعد یزید کی بیعت کا کہا اور اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کوفہ میں جا کر یزید کی بیعت کے لیے کام کریں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک تحریر طلب کی جس میں ان کی موت کی صورت میں یزید کی ولی عہدی اور جانشینی کا ذکر پڑھ کر سنایا گیا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی "طبقات" میں نقل کیا ہے کہ:

> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا میں ایک بات کرنے والا ہوں تم اس کی تردید اور انکار نہ

کرنا ورنہ میں تمہیں قتل کر دونگا۔ پھر انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور یہ باور کرایا کہ ان مذکورہ لوگوں نے یزید کی جانشینی قبول کر لی ہے۔ اس موقع پر یہ حضرات خاموش رہے نہ انہوں نے اقرار کیا اور نہ ہی (ضرر کے اندیشے سے واضح) انکار کیا۔

اسی طرح زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اس بیعت کے مطالبے کو مدینہ منورہ بھی بھیجا لیکن اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہم مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے اور مکہ میں آکر انہوں نے ان حضرات کو طلب کیا اور پھر منبر پر چڑھے۔ ان حضرات کا عذر بیان کیا اور لوگوں کو یہ بتایا کہ انہوں نے (گویا) بیعت کر لی ہے۔ اس موقع پر شام کے کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیں ہم ان کی (معاذ اللہ) گردنیں اڑا دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں تمہارے منہ سے یہ بات دوبارہ ہرگز نہ سنوں۔

## یزید کی ولی عہدی اور نصائح

جب سن ساٹھ ہجری کی ابتداء ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن زیاد کے ہمراہ آنے والے وفد سے اپنے بیٹے یزید کے لیے باقاعدہ بیعت لی اور اپنے مرض الوفات میں یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود یزید کو یہ نصیحت کی:

میرے بیٹے! میں نے تمہارے لیے تمام امور درست کر دیے ہیں بس اب مجھے تمہاری حکومت کے بارے میں چار آدمیوں کے علاوہ کسی سے خدشہ نہیں اور وہ چار آدمی یہ ہیں: ۱۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ۲۔ عبد اللہ بن

عمر رضی اللہ عنہ ۳۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۴۔ عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ ان چاروں میں سے عبد اللہ بن عمر تو ایسے آدمی ہیں جو عبادت ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب دیگر لوگ بیعت کر لیں گے تو یہ بھی کر لیں گے۔ باقی رہے حسین رضی اللہ عنہ تو ان کے بارے میں یہ قوی گمان ہے کہ اہل عراق انہیں خروج پر آمادہ کیے بغیر نہیں رہنے دیں گے۔ بہر حال اگر وہ تمہارے خلاف خروج کریں اور تمہیں ان پر غلبہ اور قابو حاصل ہو جائے تو ان سے در گزر کرنا کیونکہ ان کی رشتہ داری بہت قریب کی ہے۔ اسکے علاوہ تیسرے عبد الرحمان بن ابو بکر ہیں لیکن ان کی فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ان کو عورتوں اور غیر ضروری مشاغل کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔ ان کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ان کے دوسرے ساتھیوں نے بیعت کر لی تو وہ بھی کر لیں گے۔ بس ان چاروں میں زیادہ خطرناک ابن زبیر ہے۔ شیر کی سی گھات لگائے گا، اور لومڑی کی طرح ہوشیاری سے چکر دے گا۔ اس کو جونہی فرصت ملے گی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ اگر یہ ایسا کام کرے اور تم اس پر غلبہ پالو تو پھر اس کے ساتھ نرمی نہ کرنا بلکہ اس کو پاش پاش کر دینا۔

**حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:**

لولا هواي في يزيد لأبصرت رشدي.

اگر میری یزید کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں اپنی رہنمائی کی چیز دیکھتا۔

**(نوٹ؛ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت ایسی روایات کے بارے میں اصولی بات مقدمے میں "تنبیہ" کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں۔)**

## یزید کی تخت نشینی اور بیعت کا مطالبہ

**جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو یزید اس وقت دار الحکومت میں**

موجود نہیں تھا۔ جب وہ آیا تو اس کی بیعت کی گئی۔ اس موقع پر اس نے اپنے مدینہ کے گورنر (ولید) کو خط لکھا کہ حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی کے ساتھ بیعت کا مطالبہ کرو۔ جب تک بیعت نہ کرلیں تب تک کوئی رخصت اور چھوٹ نہیں۔ ولید نے یہ حکم نامہ پہنچتے ہی مروان کو بلا بھیجا اور اس سے اس بارے میں مشورہ کیا مروان نے کہا میرا خیال یہ ہے تم ابھی فوراً ان لوگوں کو بلاؤ اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اگر بیعت کرلیں تو فبہا ورنہ ان کے سر تن سے جدا کردو۔ چنانچہ ولید نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: سب لوگوں کو بلاؤ اور ان میں ہمیں بھی بلاؤ میں تنہائی میں اور چھپ کر بیعت نہیں کرونگا۔ اتنی بات کہہ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا جواب دیا کہ جب دیگر لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا اور اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوگئے۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو کل کا وعدہ دیا اور خود رات ہی کو مکہ چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یزید نے اس بات کی قسم اٹھائی ہے کہ تمہاری طرف سے اسے کچھ بھی قبول نہیں یہاں تک کہ تمہیں چاندی کی بیڑی میں باندھ کر لایا جائے لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کو اہمیت نہ دی۔

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر اپنے اہل خانہ سمیت مکہ مکرمہ آگئے۔ دوسری طرف اہل کوفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا

کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آیئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارے پاس ایک لاکھ آدمی آپ کی حمایت کے لیے موجود ہیں۔ یونس بن اسحاق سے منقول ہے کہ جب کوفہ والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے تو اہل کوفہ کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا اور سلمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور شہر کے بڑے بڑے شرفاء نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سے خط لکھے اور یہ لکھا کہ ہم یزید کی بیعت ختم کر دیں گے۔ ان لوگوں نے خط میں یہ لکھا کہ لوگ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر جمع فرمائیں گے اور آپ کے واسطے سے ہم لوگ ظلم سے نجات پائیں گے۔ آپ یزید کے مقابلے میں امارت و خلافت کے زیادہ مستحق اور اہل ہیں۔ یزید نے تو پوری امت کا حق غصب کیا ہے اور امت کے بہترین افراد کو قتل کیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ آپ کوفہ جاؤ اور حالات دیکھو اگر وہاں لوگوں کا اجتماع اور اتفاق معلوم ہو تو مجھے مطلع کرو۔

اہل سیر و تاریخ لکھتے ہیں: جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو کوفے بھیجا تو یہ خبر یزید کو پہنچ گئی اس نے فوراً کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد کو بنا دیا اور اسے خط لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عراق کو چلے ہیں اب تم محتاط ہو جاؤ اور اپنے جاسوس اور مسلح دستے متعین کر دو اور خوب چوکنا رہو ہلکے سے گماں پر بھی بندش لگاؤ اور اور بد عنوانی پر گرفت کرو۔

دوسری طرف مسلم بن عقیل رحمہ اللہ نے کوفہ پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا

کہ تیرہ ہزار آدمیوں نے میری بیعت کرلی ہے بس اب آپ جلدی کیجئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ خبر پاتے ہی چل پڑے۔ ادھر عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کو شہید کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے آگے آگے قیس بن مسہر کو حضرت مسلم بن عقیل رحمہ اللہ کی طرف ان کی شہادت کی خبر ملنے سے قبل قاصد بنا کر بھیجا۔ ابن زیاد نے قیس بن مسہر کو گرفتار کرلیا اور ان سے کہا تم لوگوں کے سامنے آؤ اور اس کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہو۔ قیس بن مسہر منبر پر چڑھے اور انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

> اے لوگو! میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پتھریلی زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں اور میں ان کی طرف سے تمہارے لیے قاصد ہوں جو مدد طلب کرنے آیا ہوں۔

عبید اللہ بن زیاد نے یہ بات سن کر حکم دیا کہ ان کو محل سے نیچے گرادو۔ چنانچہ انہوں نے اس طرح جان سپردِ جان آفریں کی۔

## میدانِ کارزار میں

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن ان کے ساتھ بنو عقیل کے پانچ آدمی تھے جنہوں نے یہ عرض کیا آپ واپس جائیں گے جب کہ ہمارے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سفر شروع کیا، یہاں تک کہ انہیں کوفہ کا لشکر ملا۔ آپ نے ان سے فرمایا میں تو تمہارے خطوں کی وجہ سے ہی تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے جواباً کہا: ہمیں نہیں پتہ آپ کیا کہتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس موقع پر کربلا کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے قافلے میں پینتالیس گھڑ سوار اور سو پیادہ لوگ تھے۔

عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملے کی ذمہ داری عمر بن سعد کو سونپی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بات کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے تین باتیں رکھیں:

(۱) مجھے چھوڑ دو میں اسلامی سرحدوں پر موجود فوج کے پاس چلا جاؤں۔

(۲) مجھے جہاں سے میں آیا ہوں یعنی مکہ وہاں جانے دو۔

(۳) مجھے خود یزید کے پاس جانے دو۔

عمر بن سعد نے یہ بات عبید اللہ بن زیاد کے سامنے رکھی تو اس نے کہا: نہیں بالکل نہیں اور کوئی عزت و شرف کا معاملہ نہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدے اور اگر وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا تو پھر جنگ کرو۔ اگر جنگ میں وہ مارا جائے تو گھوڑوں سے اس کا سینہ روندو اور یہ شعر پڑھو:

ألآن حين تعلقته حبالنا

يرجو الخلاص ولات حين مناص

ترجمہ: اب جب کہ وہ ہمارے شکنجے میں پھنس گیا ہے، نکلنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ چھٹکارے کا وقت گذر چکا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر دی گئی تو انہوں نے فرمایا میں تو کبھی اپنا ہاتھ (یزید کے گورنر) عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ میں دینے والا نہیں۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: رات کے اندھیرے میں تم منتشر ہو جاؤ یعنی جو جہاں جانا چاہے چلا جائے اور مجھے بس اکیلا چھوڑ دو۔ ساتھیوں نے کہا بخدا!

یہ نہیں ہو سکتا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے جو کچھ تکلیف آپ کو پہنچے گی وہ ہمیں بھی پہنچے گی۔ اس دوران کوفی لشکر پانی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کے درمیان حائل ہو گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> "اے لوگو! کیا تمہارے لیے مجھے قتل کرنا روا ہے؟ کیا میرا خون تمہارے لیے حلال ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا یعنی نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ اور کیا میں تمہارے نبی کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور کیا تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں کہ جس میں انہوں نے میرے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں؟ اگر تم ان سب باتوں کو جانتے ہو تو ٹھیک، ورنہ جابر بن عبد اللہ، ابو سعید اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے پوچھ لو۔

یہ باتیں سن کر شمر نے کہا اگر مجھے یہ سب باتیں معلوم بھی ہوں تب بھی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو پورے پورے داخل اسلام ہو کر نہیں بلکہ ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں (یعنی میں تو بے پیندے کا لوٹا اور مفاد پرست یعنی منافق آدمی ہوں جہاں سے مفاد پورا ہوتا نظر آئے اسی کے ساتھ ہوں۔)

اس موقع پر عمر بن سعد نے سب سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر پر تیر چلایا۔ پھر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ لڑائی کے لیے یہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے:

أنا علي بن الحسين بن علي

نحن وبيت الله أولى بالنبي

من شمر وعمر وابن الدعي

ترجمہ: میں علی بن حسین ہوں، ہم لوگ رب کعبہ کی قسم شمر، عمر و اور

ابن دعی[10] کے مقابلے میں نبی ﷺ کے زیادہ قریب اور زیادہ حقدار ہیں۔

مخالف لشکر کے ایک آدمی نے ان کو نیزہ مارا اور شہید کر دیا۔ یہ علی اکبر کے نام سے معروف ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک بچہ آپ کی گود میں آکر بیٹھا۔ ادھر سے ایک آدمی نے تیر مارا تو وہ بچہ اسی وقت موت کی آغوش میں چلا گیا۔

## نواسہ رسول ﷺ کی المناک شہادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا جب پانی لایا گیا اور آپ پینے لگے تو حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک پر لگا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے خون صاف کرنے لگے۔ اسکے بعد یکے بعد دیگرے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ اور ساتھی شہید ہوتے گئے یہاں تک کہ مردوں میں سے صرف آپ رضی اللہ عنہ اکیلے بچ گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ زرعہ بن شریک نے آپ کے کندھے پر وار کیا اور ایک دوسرے آدمی نے دوسرے کندھے پر وار کیا۔ سنان بن انس نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے حلق سے نیچے ہنسلی کی ہڈی پر نیزہ مارا پھر دوسرا نیزہ آپ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر گئے وہ

---

۱۰۔ دعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشتبہ النسب ہو۔ ابن زیاد کو ابن دعی اس لیے کہتے تھے کہ اس کے والد زیاد کا نسب مختلف فیہ تھا کیونکہ وہ ایک ایسی باندی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق رہا تھا یہ ایک قسم کا نکاح ہوتا تھا۔ ایک عرصہ تک اس کا نسب گمنامی میں رہا، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نسب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ ثابت مانا اور انہیں اپنا بھائی قرار دیا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق)

(بدبخت) بھی نیچے اترا اور آپ رضی اللہ عنہ کو ذبح کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا سر تن سے جدا کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر خولی بن ولید نے جدا کیا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم میں ۳۳ گہرے زخم تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر ایک سو دس کے قریب تیروں کی وجہ سے سوراخ تھے۔

اس کے بعد ان (بدبختوں) نے آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑے اور مال ومتاع لوٹا، آپ کی تلوار قلافس نہشی نے لی، آپ رضی اللہ عنہ کے کپڑے بحر بن کعب نے اتارے اور (ظالم) نے آپ کو بے لباس کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ کی چادر پر قیس بن اشعث نے قبضہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا عمامہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی جابر بن یزید نے اتاری اور ایک دوسرے (بدبخت) نے ان کا زیور لیا۔ اس کے بعد عمر نے یہ اعلان کیا کہ جو حسین کا سر لائے گا اسے ایک ہزار درہم انعام ملے گا، پھر اس نے کہا حسین کے جسم کو اپنے گھوڑے کے سُموں سے کون روندے گا؟ یہ سن کر بہت سارے (بدبخت) گھوڑے لے کر دوڑ پڑے اور آپ کی کمر مبارک کو کچل ڈالا۔ عمر نے آپ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیجا اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شہداء کے پاس سے گذرے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے:

یا محمداہ! یا محمداہ! [11] ھذا حسین بالعراء مزمل

---

۱۱۔ یا محمداہ! یا محمداہ! نبوت کے جوامع الکلم اور بابِ علم کے خون سے نشو نما پانے والی اس فصیحہ کے ان الفاظ کا ترجمہ ممکن نہیں، زبان و قلم بے بس ہیں۔ قریب قریب مفہوم کچھ یوں ہے: (ہائے نانا! آ کے دیکھو تو سہی کیا قیامت بیت گئی!)

بالدماء مقطع الأعضاء یا محمداہ! وبناتک سبایا وذریتک قتلی تسفي علیهم الصبا یامحمداہ! یامحمداہ!

ترجمہ: یہ آپ کا حسین خون سے لت پت بے گور و کفن پڑا ہے، جسم بوٹی بوٹی ہو چکا ہے۔ یامحمداہ، آپ کی بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ آپ کی ذریت اور آل اولاد مقتول پڑی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا اڑا کر ریت و مٹی کے کفن دے رہی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ سن کر اپنے پرائے سب ہی رو پڑے۔

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو پہلے کوفہ میں گھمایا جائے اور پھر اس کو سولی دی جائے۔ زر بن حبیش کہتے ہیں سولی کی لکڑی پر سب سے پہلے چڑھنے والا سر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مشہور تابعی حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور اسے ایک تھال میں رکھا گیا تو عبید اللہ بن زیاد اپنی چھڑی سے اس کو ٹھوکریں مارنے اور کریدنے لگا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کے بارے کوئی نازیبا کلمہ کہا۔ اس موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کے بالوں میں وسمہ رنگ لگا تھا یعنی سیاہی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے (صحیح بخاری)۔

ایک دوسری روایت میں علی بن زید رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"جب ابن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو میں

بھی وہاں موجود تھا۔ ابن زیاد اپنے ہاتھ میں ایک چھڑی لیے آپ کے دانتوں کو کرید رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا مکھڑے تو اچھے تھے اسکے، میں نے اس سے کہا بخدا! میں تیرے لیے ایک ناگوار بات کرتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری اس چھڑی والی جگہ یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں اور دانتوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے"۔(معجم کبیر، مجمع الزوائد، بزار، نے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ساتھ یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ حاشیہ)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن سہیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اس وقت ابن زیاد اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ناک اور آنکھوں پر مار رہا تھا اور اس سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک پر کچوکے لگا رہا تھا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا:

" اپنی چھڑی ہٹالے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہونٹ بالکل اسی جگہ پر رکھے ہوئے تھے جہاں تیری چھڑی ہے۔"

ابن زیاد نے یہ سن کر صحابی رسول رضی اللہ عنہ سے کہا تو بڈھا ہے، سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل ٹھکانے نہیں ہے (اس لیے (نعوذ باللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے) حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے ایک اور واقعہ سناتا ہوں جو تیرے لیے اس سے بھی زیادہ سخت اور شاق ہو گا:

"میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوا ہے کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں ران پر بٹھایا، پھر آپ نے ان دونوں کے نرم تالو پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

اللهم إني أستودعك إياهم وصالح المؤمنين. (طبراني)

"اے اللہ! میں اپنی اس امانت کو تیرے اور نیک مسلمانوں کے حوالے کرتا ہوں۔"

(اے ابن زیاد) اب تم دیکھ لو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

## حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مکالمہ

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ازد قبیلے کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور آپ رضی اللہ عنہ کے بچے، عورتیں اور بہنیں ابن زیاد کے پاس آئیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے جسم پر معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے تھے جن کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جا رہی تھیں اور عورتیں ان کے آس پاس جمع تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مطلق جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اور تینوں دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بالکل جواب نہ دیا۔ اتنے میں کسی عورت نے کہا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی زینب ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد نے کہا:

شکر ہے اس اللہ کا جس نے تمہیں رسوائی دی، تمہیں قتل کیا اور تمہاری باتوں کو جھوٹا ثابت کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا:

الحمد لله الذي أكرمنا بمحمد وطهرنا تطهيرا لا ما تقول إنما يفتضح الفاسق ويكذب الفاجر.

ترجمہ: شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عزت بخشی اور ہمیں (اعمال واخلاق کی) پاکیزگی عطا فرمائی۔ تو غلط کہتا ہے، رسوا تو وہ ہوتا ہے جو فاسق اور خدا کا نافرمان ہو اور جھوٹا وہ

ہوتا ہے جو خدا سے بغاوت کرے۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اپنے گھر والوں کے ساتھ خدا کی کرنی کیسی لگی؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا:

كتب عليهم القتل فبرزوا إلى مضاجعهم وسيجمع الله بينك وبينهم فتتحاكمون عنده.

ترجمہ: ان کے مقدر میں شہادت لکھی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی اپنی منزل کو سدھار گئے۔ اب اللہ تمہیں اور ان کو اپنی عدالت میں جمع کرے گا وہاں اس کے دربار میں تمہارا فیصلہ ہو گا۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں حمید بن مسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے واقعہ کربلا کے بعد ہم لوگوں سے خطاب کیا اور اس میں یہ کہا:

"شکر ہے اس خدا کا جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین (یزید) اور اسکے گروہ کو مدد سے نوازا اور کذاب بن کذاب جھوٹے باپ کے جھوٹے بیٹے (یعنی حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ) اور اس کے حامیوں اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اسی دوران عبد اللہ بن عفیف ازدی رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ابن زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابن مرجانہ! کذاب بن کذاب اور جھوٹوں کا سردار تو، تُو ہے اور تیرا باپ ہے اور وہ شخص ہے جس نے تجھے گورنر بنایا (یعنی یزید)۔

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس جب شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچی تو اتنا روئے کہ آپ کے شانے پھڑکنے لگے اور آپ نے فرمایا:

وا ذُلّاه لأمة قتل ابن دعيها ابن نبيها.

ترجمہ: اس امت کی پستی کا بھی کیا ٹھکانہ ہے جس کے ابن دعی نے ابن

نبی کو قتل کر دیا۔(یعنی مجہول النسب زادے نے نبی زادے کو قتل کر دیا)

اور حضرت ربیع بن خیثم رحمہ اللہ نے فرمایا:

انہوں نے ایسے بچوں کو قتل کیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے آتے تو ان بچوں کو گلے سے لگاتے۔

اوپر مذکور سارے واقعات اور کاروائیوں کے بعد ابن زیاد نے زحر بن قیس کو بلایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے سارے ساتھیوں کے سر دے کر اسے یزید کے دربار میں بھیجا۔اس کے بعد یزید نے یہ پیغام بھیجا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مال و متاع اور بچے کھچے اہل خانہ کو بھی میرے ہاں پہنچاؤ۔

ابو الوصنی سے مروی ہے کہ جس اونٹ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور انکے رفقاء کے سروں کو رکھ کر لے جایا گیا وہ اونٹ جب ذبح کیا گیا تو وہ لوگ اس کا گوشت نہ کھا سکے کیونکہ وہ ایلوے سے زیادہ کڑوا تھا۔

جب یہ سر یزید کے دربار میں پہنچے تو اس نے مجلس قائم کی اور شام کے بڑے بڑے معزز اور معتبر لوگوں کو بلایا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنے سامنے رکھا اور چھڑی سے ان کے منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں یہ شعر کہہ رہا تھا:

نفلق هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

ترجمہ: ہم اپنے مقابلے پہ آنے والے لوگوں کی کھوپڑیوں کو پھاڑ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ نافرمان اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔
(معجم کبیر، مجمع الزوائد)

ابن ذوئب خزاعی کی روایت میں بھی یہ قصہ بعینہ مذکور ہے۔اور ابن ابی

الدنیا نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے:

"میں اس وقت یزید کے پاس تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا۔ یزید ایک نیزے یا نرکل سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ ہی مذکورہ بالا شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا اپنی لاٹھی اٹھالے۔ اس نے کہا: تو مجھے منع کرتا ہے؟

میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی بائیں ران پر بٹھا رکھا تھا اور آپ نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر اور بایاں ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات ارشاد فرما رہے تھے:

اللهم إني أستودعكهما وصالح المؤمنين.

"اے اللہ! میں اپنی یہ امانت تیرے اور نیک ایمان والوں کے حوالے کرتا ہوں۔"

پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یزید سے کہا:

اے یزید! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی کیسی پاسداری کی؟

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ہی یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا گیا تو اس وقت حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس تھے یزید اپنی چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے اور منہ پر کچوکے لگانے لگا اور ساتھ میں مذکورہ شعر دہرانے لگا تو حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا:

" اپنی چھڑی اٹھالے بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منہ پر منہ رکھ کر بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (طبری، کامل، البدایہ)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے سالم بن حفصہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا: ہائے کیا پستی اور ذلت ہے! یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ لگانے کی جگہ پر چھڑیاں مار رہا ہے۔ اس کے فورا بعد ہی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ شعر کہا:

سمیة أمسی نسلها عدد الحصی

وبنت رسول الله لیس لها نسل

ترجمہ: سمیہ (باندی زیاد کی ماں اور ابن زیاد کی دادی) کی نسل (یعنی ان کے غمخوار اور حمایتی) سنگریزوں کے برابر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ام حسین رضی اللہ عنہ) کی نسل کوئی نہ رہی۔"

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لا کر اس کے سامنے رکھا گیا، تو اس نے درج ذیل دو شعر بطور تمثل اور استشہاد کے پڑھے:

لیت أشیاخي ببدر شهدوا

جزع الخزرج من وقع الأسل

فأهلوا واستهلوا فرحا

ثم قالوا لي بغیب لا تشل

ترجمہ: کاش کہ میرے بدر والے آباء واجداد نیزوں کی ضرب کی وجہ سے خزرج کی جزع اور چیخ وپکار کو دیکھتے، تو اس موقعے پر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور پھر مجھے مبارک دیتے اور یہ کہتے کہ شاباش! ناکام نہ ہونا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ان اشعار کی وجہ سے یزید منافق ہو گیا۔ پھر خدا کی قسم اس کے حلقے اور لشکر میں جتنے بھی لوگ تھے سب نے اسے اس بات پر لعن

طعن اور ملامت کی۔

## اشعار کا پس منظر:

یہ اشعار در حقیقت ابن زبعری (جو پہلے غیر مسلم تھے اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، ان) کے ہیں اور اصل اشعار اس طرح ہیں:

لیت أشیاخي ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الأسل
حین ألقت بقباء برکها
واستحر القتل في عبد الأشل
وقتلنا الضعف من ساداتهم
وعدلنا میل بدر فاعتدل

ترجمہ: کاش کہ بدر میں مرنے والے میرے معزز سردار احد کے موقع پر نیزوں کی ضرب سے انصار کی چیخ و پکار سنتے۔
وہ وقت کیا تھا جس وقت قباء میں اونٹنی بیٹھ چکی تھی اور عبد الاشل میں خونریزی زوروں پر تھی۔
ہم نے ان کی دوگنے سردار قتل کیے اور ہم نے بدر والے ادھار کا حساب پورا پورا تول کر چکا دیا ہے۔

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں مشرکین مکہ کے بہت سے لوگ قتل کئے اور مشرکین مکہ نے احد میں بہت سے لوگ شہید کیے۔ اس تناظر ہی میں ابن زبعری نے یہ اشعار کہے۔ قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے موقع پر یزید نے کچھ ترمیم کے ساتھ ان اشعار کو پڑھا تھا۔ یزید کی بے شرمی اور ڈھٹائی کے لیے اور سب باتوں سے قطع نظر اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے ایسے موقع پر کہے گئے

اشعار کو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا۔

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ دربارِ یزید میں :

پھر یزید نے علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو اور آپ کے ساتھ موجود عورتوں اور بچوں کو بلایا۔ یہ لوگ (قیدیوں کی طرح) رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ اس کے پاس آگئے تو حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے اس سے کہا:

> یزید! تمہارا کیا خیال ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یوں رسیوں سے بندھے ہوئے دیکھ لیں تو آپ کے دل پر کیا گذرے گی کیا آپ کا دل پسیج نہیں جائے گا؟

یزید نے جواب میں کہا:

> اے علی! تمہارے باپ نے ہی اس رشتے کو ختم کیا ہے اور میری حکومت میں دخل اندازی کی ہے چنانچہ اللہ نے اس کے ساتھ وہ کچھ کیا جو تمہارے سامنے ہی ہے۔

اس کے بعد یزید نے عورتوں اور بچوں کو طلب کیا، وہ سب اس کے سامنے لاکر بٹھائے گئے۔ اس دوران ایک شامی نے کہا اے امیر المومنین (یزید) یہ بچی یعنی فاطمہ بنت علی مجھے (بطور باندی) تحفہ دیدیں۔ اس کی یہ بات سن کر صاحبزادی نے یہ سمجھا کہ شاید یہ ایسا ہی کریں گے چنانچہ انہوں نے خوفزدہ ہو کر اپنی بڑی بہن حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے کپڑے پکڑ لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس شامی سے کہا:

> کذبت واللہ ماذلک لک ولا لہ.

> تو نے جھوٹ کہا ہے بخدا! نہ تو تو یہ کام کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ یزید۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر یزید غصے میں آگیا اور کہنے لگا:

تم غلط کہتی ہو یہ بات میرے اختیار میں ہے اور اگر میں یہ کرنا چاہوں تو کر دونگا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ بات سن کر فرمایا:

كلا والله ماجعل ذلک لک إلا أن تخرج من ملتنا أو تدين بغير ديننا.

"ہرگز نہیں بخدا! تمہیں اس بات کا قطعاً اختیار نہیں۔ہاں اگر تم ملت اسلام سے نکل جاؤ یا کوئی دوسرا دین اپنالو تو پھر ہو سکتا ہے۔" (طبری، کامل، بدایہ)

## اہلِ خانہ کی مدینہ منورہ آمد:

پھر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو عمرو بن سمیہ بن عاص کے پاس بھیج دیا جو کہ اس وقت کا مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔اس نے سر کو پکڑا اور اپنے سامنے رکھا اور آپ کے ناک کو ہاتھ سے پکڑا پھر اسے دفن کرنے کا حکم دیدیا۔چنانچہ سر مبارک کو کفن دیا گیا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا۔

(طبقات ابن سعد)

سر مبارک کے بارے میں یہ روایت "طبقات ابن سعد" کی ہے۔البتہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ لوگوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے خزانے سے ملا تھا جس کو انہوں نے کفن دیا اور دمشق ہی میں باب الفرادیس کے پاس دفن کر دیا۔لیکن ان دونوں روایتوں میں سے قابل اعتماد اور صحیح روایت "طبقات ابن سعد" کی ہی ہے کیونکہ اس کے راوی قابل اعتماد ہیں اور

ابن ابی الدنیا کی روایت میں دو راوی یعنی عثمان بن عبد الرحمان اور محمد بن عمر، محدثین کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

ابو جعفر سے مروی ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بنو عبد المطلب کے (یعنی ہاشمی) خاندان کی ایک عورت اپنے بال کھولے اور اپنے بازو سر پر رکھے ہوئے باہر نکلی اور روتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگی:

ما ذا تقولون إن قال النبي لكم
ما ذا فعلتم وأنتم الآخر الأمم
بعترتي وبأهلي بعد مفتقدي
منهم أسارى وقتلى (ضرجوا) بدم
ما كان هذا جزائي إذ نصحت لكم
أن تخلفوني بسوء في ذي رحمي

ترجمہ: اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم سے سوال کر لیا کہ اے میری آخری امت! تم نے یہ کیا کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ میرے جانے کے بعد میری عترت اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا، کچھ قیدی ہیں اور کچھ خون میں نہلا دیے گئے ہیں۔ میری تم سے (عمر بھر کی) خیر خواہی کا کیا یہی صلہ تھا کہ تم میرے قرابت داروں کے ساتھ میرے بعد یہ برا سلوک کرتے!!۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لو كنت ممن شايع على قتل الحسين ثم قيل لي ادخل الجنة لأستحييت أن يراني رسول الله وقد فعلت ما فعلت.

ترجمہ: اگر (خدانخواستہ) میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں

میں شامل ہوتا اور مجھے یہ کہا جاتا کہ جاؤ جنت میں چلے جاؤ، تو مجھے (جنت میں جانے سے یہ بات مانع ہوتی اور مجھے) شرم آتی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ جنت میں دیکھیں گے حالانکہ میں ایسا کام کر کے آرہا ہوں۔ (تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، مجمع الزوائد)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے یہ فرمایا:

قتلوه ملأ الله قبورهم وبيوتهم ناراً.

ترجمہ: ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ (تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء)

عمار بن ابو عماد سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے دوپہر کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا آپ کی حالت پراگندہ اور بال بکھرے اور گرد آلود تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی میں نے عرض کیا (یارسول اللہ!) یہ شیشی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اسی دن سے جستجو جاری رکھی حتی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ بالکل اسی دن (جس دن مجھے خواب آئی تھی) حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ (مسند احمد)

## یزید کی بدنیتی اور ڈھٹائی:

اس سارے معاملے میں عمر بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد کے کیے پر تعجب اور شکوہ نہیں، تعجب تو یزید کی رسوائی اور ڈھٹائی پر ہے کہ:

(۱)۔اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری۔

(۲)۔اور پھر سر کو اپنی غرض فاسد اور بدنیتی کے پیش نظر مدینہ روانہ کیا کیونکہ اتنے طویل عرصہ کے گذرنے کی وجہ سے اس میں طبعی تغیر آچکا تھا(تاکہ لوگ متنفر ہوں)۔کیا ایسا رویہ اور سلوک خوارج کے ساتھ بھی روا ہے؟ کیا شریعت میں ان کے بارے میں بھی یہ حکم نہیں کہ ان کا جنازہ پڑھا جائے اور ان کو(انسانی اور مسلمانی کے حق کی وجہ سے)باقاعدہ دفن کیا جائے؟

(۳)۔اور یزید کا یہ کہنا کہ مجھے اس بات کا بھی حق ہے کہ میں ان لوگوں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں)کو قید کر کے باندیاں اور غلام بنالوں۔اس کی یہ بات ایسی ہے کہ جس کے کہنے اور کرنے والا سوائے لعنت کے کسی اور چیز کا مستحق نہیں۔سو اس کے لیے تو بس لعنت ہی ہے۔

ویسے سوچنے کی بات ہے کہ اگر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے پہنچنے پر اس کا احترام کرتا اور اس کا جنازہ ادا کرتا اور اسے تھال(طشت)میں یوں ہی رہنے دیتا اور اسے اپنی چھڑی سے نہ مارتا تو بھی اسے کیا نقصان ہوتا۔کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اس کا مقصد تو حاصل ہو ہی چکا تھا۔لیکن بس اس کی جاہلیت پر مبنی کینے اور بغض کا کیا بنتا(اور اس کی تسکین کیسے ہوتی)اور اس جاہلی کینے کے بارے میں دلیل اور علامت کے طور پر پیچھے وہ اشعار ذکر ہو ہی چکے ہیں (جن میں جاہلیت کے ایک شاعر نے مسلمانوں کو احد میں پہنچنے والے صدمے اور شہادتوں پر شیخی بگھاری تھی)۔

## اہل مدینہ کی یزید سے براءت

سن ۶۲ھ ہجری کے شروع میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو مدینہ

کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اہل مدینہ کے ایک وفد کو یزید کے دربار میں بھیجا۔ جب وہ وفد وہاں سے واپس آیا تو انہوں نے مدینہ میں یزید کے بارے میں منفی باتوں کو بیان کیا اور انہوں نے کہا:

> "ہم ایک ایسے آدمی کے پاس سے واپس آرہے ہیں جو بے دین ہے۔ شراب کا رسیا ہے۔ گانے باجے کا شغل رکھتا ہے۔ اور کتوں سے کھیلتا ہے اب ہم تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی بیعت توڑ دی ہے۔"

اور منذر نے کہا:

> "اگرچہ اس (یزید) نے مجھے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا تھا تاہم اس کا یہ دینا مجھے تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرنے سے مانع نہیں۔ خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے اور اس کے نشے میں مست رہتا ہے حتی کہ نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔" (کامل، البدایہ)

پھر اہل مدینہ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ (غسیل الملائکہ کا مطلب ہے فرشتوں کا غسل دیا ہوا اور یہ جنگ احد کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا ان) کے بیٹے حضرت عبداللہ کی بیعت کی اور یزید کے گورنر عثمان بن محمد کو مدینہ سے نکال دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ نے اس موقع پر یہ فرمایا:

> "اے لوگو! ہم نے یزید کے خلاف خروج اس لیے کیا ہے کہ ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر ہم یہ کام نہ کریں تو کہیں آسمان سے ہمارے اوپر پتھر نہ برس پڑیں۔ بخدا! شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے۔ خدا کی قسم اگر اس معاملے میں میرے ساتھ کوئی بھی آدمی نہ ہوتا تب بھی میں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا۔"

عبد اللہ بن عمرو رحمہ اللہ جو کہ ایک ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں وہ یہ بھی اضافہ نقل کرتے ہیں:

"اہل مدینہ میرے پاس آئے انہوں نے (علی الاعلان) یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔"

عبد اللہ بن عمرو بن جعفر مخزومی نے کہا:

"میں نے یزید کی بیعت کا بوجھ اپنے سر سے یوں اتار دیا ہے جیسے میں نے اپنا عمامہ اتارا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی پگڑی اتار کر دکھائی اور پھر کہا: اگرچہ یزید نے میرے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا اور مجھے انعام واکرام سے بھی نوازا تاہم میں پھر بھی اس کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہوں کیونکہ دشمن خدا شراب کے نشے میں دھت رہنے والا ہے۔"

## حرہ کا دلخراش واقعہ

جب یزید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو پیغام بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ تین دن تک لوگوں کو دعوت دو اگر بات مان لیں تو فبہا ورنہ ان سے لڑائی کرو اور جب تمہیں غلبہ حاصل ہو جائے تو تین دن تک کے لیے مدینہ میں موجود مال واسباب، اسلحہ اور خوراک کو مباح عام کر دو یہ سب لشکر کا ہو گا پھر جب تین دن گذر جائیں تو ہاتھ روک لینا۔ (یزید کی ہدایت پر) مسلم بن عقبہ نے ایسا ہی کیا اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کو اپنے لشکر کے لیے تین دن تک مباح عام قرار دیدیا۔ وہ لوگ تین دن تک مردوں کو قتل، اور عورتوں سے زیادتی کرتے رہے۔ اس موقع پر ایک عورت نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو کہ قیدی تھا، بات کی، مسلم بن عقبہ نے کہا: اسے جلدی انجام تک پہنچا دو چنانچہ اس

بیچاری عورت کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

پھر اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا اور یہ کہا کہ اس شرط پر بیعت ہو گی کہ تم یزید کے غلام اور بردے ہو گے اور تمہارے اموال اس کی ملک ہوں گے۔ اس موقع پر یزید بن عبد اللہ بن زمعہ نے کہا ہم تو کتاب اللہ کی بیعت کریں گے۔ مسلم بن عقبہ کے حکم پر ان کی گردن اڑا دی گئی۔

اسی طرح مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کو بھی مسلم بن عقبہ کے پاس لایا گیا۔ ان لوگوں نے بیعت کا مطالبہ تو حضرت سعید رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

أبايع على مسيرة أبي بكر وعمر.

"میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر بیعت کرتا ہوں۔"

مسلم بن عقبہ نے ان کی گردن اڑانے کا حکم دیا لیکن ایک آدمی نے ان کے بارے میں یہ گواہی دی کہ یہ تو دیوانہ ہے تو اس بنا پر ان کو چھوڑ دیا گیا۔

محمد بن سعد رحمہ اللہ نے "طبقات" میں ذکر کیا ہے کہ مروان نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کے خلاف ابھارا اور اس موقع پر وہ مسلم بن عقبہ کے ساتھ اس کا معین و مددگار بن کر آیا یہاں تک کہ اس نے اہل مدینہ پر غلبہ پایا اور تین دن تک لوٹ مار مچائی۔ جب مروان یزید کے دربار میں گیا تو اس نے اس کارنامے پر بہت شکریہ ادا کیا اور اسے بہت قرب بخشا۔

مدائنی نے اپنی کتاب "کتاب الحرہ" میں امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حرہ کے واقعے میں قریش و انصار اور مہاجرین میں سے سات سو معزز اور نمایاں آدمی شہید ہوئے (جیسے معقل بن سنان، سائب بن یزید، عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ عنہم وغیرہ)۔ اور اس کے علاوہ آزاد کردہ اور نامعلوم غلاموں اور عام آدمیوں اور

عورتوں میں سے شہید ہونے والوں کی تعداد دس ہزار ہے۔(البدایہ والنہایہ)

ام ہیثم بنت یزید سے مروی ہے کہ میں نے ایک قریشی عورت کو مدینہ کی کسی گلی میں جاتے دیکھا وہاں اس کے سامنے ایک کالے رنگ کا بچہ آگیا اس نے اسے سینے سے لگایا اور اس کا بوسہ لیا میں نے کہا: اے اللہ کی بندی! تم اس کالے کلوٹے لڑکے کو پیار کر رہی ہو، تو اس نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے اس کے والد نے حرہ کے دن میرے ساتھ صحبت کی تھی جس کے نتیجے میں یہ پیدا ہوا ہے۔ مدائنی نے ہشام بن حسان سے روایت کیا ہے کہ وقعہ حرہ کے بعد مدینہ کی ایک ہزار کے قریب عورتوں نے ناجائز بچے جنے۔

وقعہ حرہ کے مزید دلخراش واقعات اور یزید کی اہل مدینہ پر غارت گری اور لوٹ مار کے متعلق مزید واقعات دیکھنے ہوں تو ہمارے استاذ ابو الفضل بن ناصر کی کتاب دیکھیے جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے یہاں اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کافی ہے۔

## اہلِ مدینہ کی بابت احادیثِ نبوی

صائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اہل مدینہ کو ظلم کے طریقے سے خوفزدہ کیا اللہ اس کو وحشت زدہ کریں گے اور اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت ہو۔ اللہ اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول کریں گے اور نہ فرض۔"(مسند احمد)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ مکر و برائی کا معاملہ کرے اس کا جسم یوں

پگھل جائے جیسے نمک پانی میں پگھلتا اور گھلتا ہے۔" (بخاری)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسی سے ملتی جلتی یہ روایت نقل کی ہے۔

"جو آدمی بھی اہل مدینہ سے برائی کا معاملہ کرے اللہ اسے بروز قیامت آگ میں ایسے پگھلائیں جیسے کہ سیسہ بہتا ہے یا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔"

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! مدینہ کے مُد (غلے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور جو شخص بھی اہل مدینہ سے برا ارادہ کرے اسے ایسا پگھلا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔"

## عبدالمغیث کی بات پر تبصرہ

ہمارے بے وقوف فریق مخالف (یعنی عبد المغیث حنبلی جنہوں نے حمایت یزید کا بیڑا اٹھایا تھا) ان کا خیال یہ ہے کہ ان تمام احادیث میں اہل مدینہ کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بغیر کسی تاویل اور مجبوری کے انہیں خوفزدہ کیا۔ (گویا اگر کسی وجہ سے خوفزدہ کرے تو وہ ان احادیث کا مصداق نہیں) لیکن بات یہ ہے کہ ان احادیث کا جو مطلب اس عقل سے پیدل صاحب کے دماغ میں آیا ہے وہ یقیناً امام احمد رحمہ اللہ سے بھی اوجھل رہا ہے کیونکہ وہ تو یزید کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

أليس قد أخاف المدينة.

ترجمہ: کیا اس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ نہیں کیا۔

اور آج تک (ان صاحب کے سوا) کسی کے علم میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ

یزید کا یہ فعل کسی تاویل اور معقول شرعی وجہ پر مبنی تھا۔

پھر اس کے بعد ان صاحب نے مزید یہ بھی مفروضہ گھڑا کہ جب یزید کے خلاف خروج ہو رہا تھا تو اس موقع پر اس کے لیے اہل مدینہ کے ساتھ ایسا اقدام کرنے کی گنجائش تھی اگرچہ ہمیں اس میں بھی کلام ہے (لیکن سر دست تسلیم کرتے ہیں) اور ہم کہتے ہیں چلو خروج کو روکنے کے لیے اقدام جائز بھی ہو تب بھی اس بات کی گنجائش کہاں سے آئی کہ تین دن تک اس کو لوٹ مار کے لیے حلال اور مباح قرار دیدے۔ حالانکہ یزید نے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں خود اس بات کا حکم دیا تھا اور پھر کیا یزید اس واقعے سے اور جو کچھ ہوا اس پر راضی بھی نہیں تھا؟ اور کیا اس نے اس کی تردید کی یا انکار کیا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس نے تو مروان بن حکم کا (جیسا پیچھے گزرا) اس حوالے سے شکریہ ادا کیا تھا۔

بہر حال یزید کی طرف سے اس واقعے کے لیے عذر پیش کرنا (اور صفائی دینا) عذر گناہ بدتر از گناہ (کا مصداق) ہے۔

## حرم مکی پہ سنگ باری

حرہ کا یہ واقعہ ۲۸ ذوالحجہ سن ۶۳ ہجری کو بدھ کے دن پیش آیا اس کے بعد جب سن ۶۴ ہجری شروع ہوا اور مسلم بن عقبہ اہل مدینہ کے قتال سے اور اس کا لشکر ان کے اموال کی لوٹ سے فارغ ہو چکا تو پھر مسلم بن عقبہ ہی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے مکہ کی جانب روانہ ہوا لیکن راستے میں مر گیا۔ اس کی موت اور اہل مدینہ کی لوٹ مار کے درمیان چند دن ہی کا وقفہ ہوا ہو گا۔ چنانچہ بالکل ایسے ہی پگھل گیا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ اس (بدبخت) نے اپنی بے وقوفی اور انتہا درجے کی بے عقلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوقت مرگ یہ الفاظ کہے:

"اے اللہ! میں نے کلمہ پڑھنے کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ لڑائی سے بڑھ کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ اگر اس کے بعد بھی مجھے جہنم ہی میں جانا پڑا تو میں یقیناً بدبخت ہونگا۔" (البدایہ والنہایہ)

پھر اس نے حصین بن نمیر سکونی کو طلب کیا اور اس سے کہا تجھے امیر المؤمنین (یزید) نے میرے بعد والی بنایا ہے۔ بس اب تم جلدی کرو اور ابن زبیر کو بس تین دن کے اندر اندر جالو۔ یہ چلا یہاں تک کہ اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ۶۴ دن تک بڑا شدید محاصرہ کیے رکھا جس کے دوران ان کے درمیان بڑی شدید لڑائی ہوئی اور تین ربیع الاول ہفتے کے دن کعبے پر بھی منجنیقوں سے سنگ باری کی گئی۔ ایک آدمی نے اپنے نیزے پر آگ کا ایک شعلہ لگا رکھا تھا جو ہوا کی وجہ سے بیت اللہ پر جا گرا جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ ادھر ربیع الاول کا چاند نکلتے ہی ان لوگوں کے پاس یزید کے مرنے کی خبر آگئی۔ اس لحاظ سے وقعہ حرہ اور یزید کی موت کے درمیان کل تین ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا۔ چنانچہ یہ بھی اہل مدینہ کے حق میں پیچھے ذکر کردہ حدیثوں کا مصداق بن کر یوں پگھل گیا جیسے سیسہ آگ میں پگھلتا ہے۔

اس بارے میں ہم یہاں اسی قدر تفصیل پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ مقصودی بات سامنے آہی گئی ہے۔ جس کو مزید تفصیل دیکھنی ہو وہ میری کتاب "المنتظم في تا ریخ الملوک و الأمم" کا مطالعہ کرلے۔

## حمایتِ یزید میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ

(تمہید میں ذکر کردہ ترتیب کے مطابق پہلے واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ واقعات بیان کیے گئے جو یزید کی شخصیت کا مقام متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر اہلسنت نے اسے فاسق قرار دیا ہے۔ پیش آمدہ سطور میں

ہمارے ممدوح عبد المغیث حنبلی (جو کہ اس مسئلہ میں مختلف اور نرالی رائے رکھتے ہیں، ان) کی طرف سے حمایتِ یزید میں پیش کیے جانے والے دلائل اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔)

باقی رہی وہ چیزیں جن کے بل بوتے پر ان صاحب (عبد المغیث) نے حمایت یزید کا نظریہ اختیار کیا ہے تو اس کے بارے میں حقیقت حال یہ ہے کہ یہ باتیں دلائل تو درکنار شبہات کا بھی درجہ نہیں رکھتی مثلاً انہوں نے کہا:

## امام احمد رحمہ اللہ پر اعتراض

ا۔ آپ لوگ کہتے ہو کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر لعنت کے جواز کا قول کیا ہے اور انہوں نے اس آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ. [محمد: ٢٢]

حالانکہ یہ آیت تو یہودی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس آیت کو تمام اہل اسلام پر کیسے چسپاں کر رہے ہیں؟

اس بات کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ پہلی بات یہ ہے کہ تمہاری اتنی جرأت ہو گئی کہ تم امام احمد رحمہ اللہ کی بات کی تردید کر سکتے ہو۔ فیا للعجب۔ بہر حال جس بنیاد پر تم نے امام احمد رحمہ اللہ کے قول پر رد کیا ہے اس کا جواب تین طریقوں سے ہے (جو ذیل میں ہیں):

## پہلی وجہ

تم نے اس آیت سے متعلق جو بات کی وہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے نقل شدہ ہے اور خود مقاتل بن سلیمان محدثین کے ہاں بالاتفاق کذاب ہے، جو واہی تباہی روایت کرتا ہے۔ وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"مقاتل بن سلیمان کذاب (یعنی بہت بڑا جھوٹا) ہے۔"

سعدی رحمہ اللہ فرماتے:

"یہ شخص بڑا دجال اور انتہائی غیر محتاط تھا۔"

امام بخاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

"مقاتل بن سلمان کا بالکل کوئی مقام نہیں ہے۔"

اور زکریا ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کذاب ہے اور متروک الحدیث ہے یعنی اس سے حدیث نہ لی جائے۔"

اور رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" اس سے حدیث نہیں لی جائیگی۔"

اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" بڑے بڑے جھوٹے راوی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے بھی نہیں جھجکتے، وہ چار ہیں:

(۱) ابراہیم بن ابو یحیی: مدینہ میں

(۲) واقدی: بغداد میں

(۳) مقاتل بن سلیمان: خراسان میں

(۴) محمد بن سعید: شام میں

اور ابن حبان رحمہ اللہ مقاتل کے بارے میں (ذرا تفصیل سے) فرماتے ہیں:

"مقاتل قرآن مجید کی وہ باتیں جو کتب سابقہ کے موافق ہیں خود یہود ونصاری سے حاصل کرتا تھا۔ نیز یہ ہے کہ اعلی درجے کا مشبہ [۱۲] بھی

---

۱۲ ۔ مشبہ (میم کے پیش شین کے زبر اور باء کے شد اور زیر کے ساتھ) اس کا لفظی مطلب ہے تشبیہ دینے والا یعنی ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینے والا۔ اور علمی اصطلاح میں مشبہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ رب العزت کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں، یا اللہ کی صفاتِ (متشابہات) کو ایسے انداز سے

تھا، خدا کو مخلوقات جیسا کہتا تھا اور مزید بر آں یہ کہ حدیث کے باب میں جھوٹ بھی بولتا تھا۔"

## دوسری وجہ :

امام احمد رحمہ اللہ کی بات کی تردید میں تمہاری طرف سے کہی گئی بات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس آیت میں ولایت اور حکومت کی تفسیر خود مسلمانوں کی ولایت سے کی ہے۔ چنانچہ ایک طرف امام احمد رحمہ اللہ کی تفسیر ہے اور دوسری طرف مقاتل کی اور تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس کذاب مقاتل کی تفسیر کو امام احمد رحمہ اللہ کی تفسیر پر کیسے ترجیح دی؟ اور یہودیوں کی ولایت اور حکومت تھی بھی کون سی جو یہاں مراد ہوتی؟؟۔

## تیسری وجہ :

اگر ہم یہ مان بھی لیں جیسا کہ تم کہتے ہو کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تب بھی ہمارے مدعا کے لیے مطلق نقصان دہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک مشہور بات ہے کہ قرآنی آیت سے مستفاد ہونے والا حکم اس آیت کے خاص پس منظر اور شان نزول کے علاوہ دیگر صورتوں اور واقعات پر بھی اسی طرح منطبق ہوتا ہے جیسے اس واقعے پر تھا۔ چنانچہ کسی خاص قوم یا طبقے کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے حکم کو دیگر لوگوں کے لیے ثابت ماننے میں کوئی مانع نہیں (حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے بقول یہ مان بھی لیا جائے کہ مذکورہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی تب بھی یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ یہ آیت

---

بیان کرتے ہیں جس سے اس کا مخلوق کے عوارض ولوازم سے متصف ہونا لازم آئے۔

یہودیوں کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ جو بھی ایسا کام کرے گا جو اس آیت میں لعنت کا موجب قرار دیا گیا ہے وہ اس آیت کے تحت آئے گا خواہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم)۔

## حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے استدلال

اس صاحب نے امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا تو طرز عمل ہی یہ ہے کہ وہ اسلاف کے طریقے پر سختی سے کاربند ہیں اسی وجہ سے ان کا یہ قول مشہور اور زبان زد عام ہے کہ: كيف أقول ما لم يقل۔ (ترجمہ: میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جو پہلے نہیں کہی گئی)۔

اور جب ہم (امام احمد رحمہ اللہ سے پہلے لوگوں یعنی) صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کی تھی۔ ایسی صورت میں امام احمد رحمہ اللہ اس کے برعکس یزید کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں؟

لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں:

تاریخ و سیرت کے باب میں ایک گٹھی پر پنساری بن بیٹھنے والے صاحب! ہم نے پیچھے باحوالہ ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کے بارے میں سنا تو مکہ مکرمہ چلے گئے۔ (اگر وہ یزید کی بیعت پر برضا و رغبت مطمئن تھے تو انہوں نے یہ کیوں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ) ان لوگوں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ بیعت نہیں کریں گے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوری کے درجے میں (أهون البليتين یعنی دو ناگزیر مصیبتوں میں سے کم درجے کی مصیبت کو اختیار کرتے ہوئے) بیعت کی۔ (جس سے یزید کے صالح ہونے پر

استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ابتداءً بیعت نہ کرنا اس کے صالح نہ ہونے کا غماز ہے)۔

## امام احمد رحمہ اللہ کے سکوت سے استدلال

ہمارے ممدوح صاحب نے اپنے موقف کی تائید کے لیے اس روایت کا بھی سہارا لیا ہے کہتے ہیں:

> "ابو طالب سے مروی ہے میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہ کہے "لعن الله يزيد بن معاوية" آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: ہم اس بارے میں گفتگو نہیں کرتے اور میرے نزدیک سکوت زیادہ بہتر ہے۔"

ہم اس روایت کے بارے میں اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہ راویت ہمیں بھی تسلیم ہے۔ لیکن اس سے جو نتیجہ تم نے کشید کیا ہے وہ تسلیم نہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تم نے پیچھے جواز لعنت سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کی روایت اور اس روایت میں تناقض، تعارض اور ٹکراؤ ثابت کیا ہے۔ اور پھر تم نے دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ درحقیقت ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ دونوں باتیں اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں۔ پہلے ذکر کردہ روایت میں لعنت کا جواز اور گنجائش تھی کہ یہ کام کوئی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے جبکہ تمہاری پیش کردہ اس روایت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کے لیے اس کام میں مشغول ہونے سے بہتر ہے کہ دوسرے مفید کاموں میں لگے جیسے پیچھے ہم نے ذکر کیا تھا کہ ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے ذکر خدا کی تسبیح کی جائے کیونکہ یہ صرف ایک جائز کام ہے اور دوسرے کام اس کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں۔ اس سے یہ

کہاں ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ لعنت کے جواز کے قائل نہیں۔

اور دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی بابت دیگر اکابرین اور ناقلین مثلاً ابو بکر خلال، قاضی ابو یعلی اور ان کے بیٹے ابو الحسن تمہارے مقابلے میں زیادہ واقف ہیں اور وہ بہت بہتر سمجھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب کیا ہے اور کیا یزید پر لعنت کرنا امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے یا نہیں؟ ان حضرات نے جوازِ لعنت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے شروع میں ذکر کر دیا ہے اگر یہ بات تمہارے گوش گذار نہ ہوئی ہو تو دوبارہ سن لو اور ان لوگوں کی کتابیں اٹھا کر دیکھو تمہیں لعنت کا جواز صاف ملے گا۔

اسکے علاوہ امام احمد رحمہ اللہ نے متعدد جگہوں پر لعنت کے مستحق لوگوں پر خود لعنت کی ہے مثلاً اپنے رسالے "مسدد" میں کہتے ہیں:

الواقفة ملعونة، والمعتزلة ملعونة.

اور خلال نے "کتاب السنہ" میں عبد اللہ بن احمد حلبی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

على الجهمية لعنة الله.

ترجمہ: جہمیہ پر خدا کی لعنت ہے۔

نیز حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حجاج پر لعنت کیا کرتے تھے اور امام احمد رحمہ اللہ بھی یہ فرماتے تھے:

"حجاج ایک برا انسان تھا۔"

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی سے یزید کے حق میں استدلال:

ان صاحب نے اپنے استدلال میں اس بات کو بھی پیش کیا ہے کہ نبی علیہ السلام

نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

ترجمہ: اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادے۔

چنانچہ جو صاحب ہدایت دینے والے ہوں، خود انہوں نے جب یزید کو ولی عہدی کے لیے منتخب کیا ہو تو اس پر طعن وتشنیع کیسے ہو سکتی (حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی دعا کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا یہ اقدام درست اور ہدایت پر مبنی ہو اور یزید کے انتخاب میں کوئی کمی اور فروگذاشت نہ ہو)۔

لیکن ہم ان صاحب سے یہ عرض کریں گے کہ پہلے اس حدیث کی صحت کو معلوم کیجئے پھر ابن علیہ کو دیکھیے اور یہ کام آپ خود ہی کیجیے کیونکہ اگر ہم یہ کام کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں یہ الزام دیں کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تعصب سے کام لیتے ہوئے یہ کر رہے ہیں۔ البتہ یہاں قارئین اور استفادہ کرنے والوں کے لیے ہم اس کی تھوڑی سی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

سلیمان قریشی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تو لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو نوجوان ہیں، ناتجربہ کار ہیں، ان کو والی بنادیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

اس روایت کی مکمل سند ملاحظہ ہو:

علی بن عبد اللہ زاغونی.... علی بن احمد تستری.... ابو عبید اللہ بن بطہ عکبری.... بغوی.... محمد بن اسحاق.... ہشام بن عمار.... عبد العزیز بن ولید.... سلمان قرشی.... والد سلمان۔

یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں حضرت عبد الرحمان بن ابو عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان الفاظ میں دعا فرماتے ہوئے سنا:

اللهم اجعله هادياً ومهدياً.

اس طریق کی مکمل سند یہ ہے:

علی بن عبید اللہ... علی بن بشری... ابو عبید اللہ بن بطہ... قافلائی + ابن مخلد... محمد بن اسحاق... یحییٰ بن معین... ابو مسہر... سعید بن عبد العزیز... ربیعہ بن یزید... عبد الرحمان بن ابو عمیرہ۔

دونوں سندوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا دار و مدار محمد بن اسحاق بن حرب بلخی پر ہے اور یہ آدمی بڑا جھوٹا تھا۔ اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے قتیبہ بن سعید اس کا بڑے برے الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس نے ایک دفعہ کوفہ میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو بُرا بھلا کہا لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اور محدث ابو علی صالح بن محمد رحمہ اللہ کے اس کے بارے میں الفاظ یہ ہیں:

كان محمد بن إسحاق كذاباً يضع للكلام إسناداً ويروى أحاديث مناكير.

ترجمہ: محمد بن اسحاق بہت بڑا جھوٹا آدمی تھا، کسی بھی بات کے لیے سند

گھڑ لیتا تھا اور منکر یعنی غیر معروف احادیث روایت کرتا تھا۔

اور ابن حبان رحمہ اللہ کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

يأتي عن الثقات بما ليس من حديث الأثبات. (كانه المعتمد لها) لا يكتب حديثه إلا للاعتبار.

ترجمہ: محمد بن اسحاق اپنے اوپر کے ثقہ راویوں سے ایسی احادیث نقل کرتا ہے جو دیگر محدثین روایت نہیں کرتے (گویا کہ وہ انہیں معتبر سمجھتا ہے) بہر حال اس کی حدیث یا اس کی روایات صرف اعتبار[۱۳] کی حد تک لی جا سکتی ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں ان دو سندوں کے علاوہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے جو یہ ہے:

ابو البرکات بن علی.... ابو بکر طوسی.... ابو القاسم طبری.... علی بن عمر.... اسماعیل بن محمد.... عباس بن محمد.... ابو مسہر۔

لیکن اس سند میں ایک راوی اسماعیل ہے جس کے بارے میں دار قطنی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ وہ کذاب ہے۔

(بہر حال مذکور بالا روایت سند کے اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی) لیکن اگر اسے ثابت مان بھی لیا جائے یا یہ مرتبہ صحت اور ثبوت کو پہنچ بھی جائے تو پھر بھی اس روایت میں زیادہ سے زیادہ ایک دعا کا ذکر ہے اور ضروری تو نہیں کہ

---

۱۳۔ "اعتبار" سے مراد معتبر سمجھنا نہیں بلکہ یہ علم حدیث کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب کسی حدیث کی سندوں کی تعداد معلوم کرنا، اور یہ دیکھنا ہے کہ یہ حدیث کتنی روایتوں اور طرق سے منقول ہے۔ ایسا کرنے میں محدثین ہر طرح کی اسناد کو شمار کرتے ہیں، ضعیف ہوں یا صحیح اس سے غرض نہیں ہوتی۔ (دیکھیے: الفیہ، سیوطی۔ تعلیقات احمد شاکر مصری)

ہر دعا قبول بھی ہو کیونکہ اگر یہ دعا یا اس کی قبولیت ہر حال میں ہوتی تو پھر صفین کا اور یزید کی ولی عہد کا معاملہ کیوں ہوتا؟[۱۴]

## ولایتِ یزید کے تحقق کا مسئلہ :

ہمارے موصوف نے بعض محدثین کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ یزید کی ولایت اور حکومت پر سوائے پانچ اشخاص کے باقی تمام امت راضی

---

۱۴۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بات کو جس انداز سے لیا ہے وہ بظاہر اشکال سے خالی نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں دعا ہدایت کی ہے اور ہدایت ضلالت اور گمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطاء کو شامل نہیں۔ چنانچہ صفین کا واقعہ بتصریح اہل سنت ان کی اجتہادی خطاء پر مبنی تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ان کو شہید کیا تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تقتلک الفئة الباغية" (تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی)۔ چونکہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لئے وہ باغی جماعت تھی۔ اور شریعت کی اصطلاح میں باغی وہ ہوتا ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہاد ہی سے کیا ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ صحابی تھے اور فقیہ تھے یعنی بڑے آدمی تھے، اس لئے ان کی گرفت دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو باغی کہا گیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ تم لوگ تو علم و عقل والے اور مرتبے والے تھے فیصلہ کرنے میں مزید غور و فکر کیوں نہیں کیا؟۔ باقی رہا تولیتِ یزید کا مسئلہ تو اس کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ ان کی اپنی دانست میں درست تھا۔ اور اس وقت تک یزید فاسق نہیں تھا یا کم از کم اس کا فسق ظاہر نہیں ہوا تھا۔ البتہ بعد میں یزید کا فسق ظاہر ہوا تھا اور سارے واقعات پیش آئے تھے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی نصیحتوں کی اس نے مخالفت کی تھی۔ ان باتوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ بعد والی ان باتوں کی نہ تو ان پر ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کے حق میں کی گئی دعا کو یزید کے لیے صفائی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا مقصود یہی ہے۔ اسی تناظر میں اس بات کو دیکھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

اور خوش تھی۔ ان کی رضا کے ساتھ ہی اس کی ولایت منعقد ہوئی تھی۔ وہ پانچ لوگ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو خود آپ کی دو باتوں میں تعارض ہے۔ پہلے آپ نے یہ ذکر بلکہ استدلال کیا تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی اب تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ یزید کی ولایت پر راضی نہیں تھے۔ ان دونوں باتوں سے کیا سمجھا جائے؟

حقیقت یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لیے بیعت کی مہم چلائی تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس دوران اس خوف سے مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور یزید کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دوبارہ مکہ چلے گئے اور اس کے بعد انہوں نے جو بیعت کی تھے وہ اپنی جان پر خوف اور شر سے بچنے کے لیے کی تھی۔

یہ بات بخوبی ذہن میں رہے کہ جتنے بھی معتبر اور صاحب حیثیت لوگ ہیں ان میں سے کوئی آدمی حتی کہ عوام بھی یزید کی بیعت پر راضی نہیں تھے البتہ انہوں نے فتنے کے اندیشے سے سکوت کو ترجیح دی۔ دوسری طرف اہل علم حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر کسی کی ولایت زور زبردستی سے بھی

مسلط ہو جائے تو وہ منعقد ہو جاتی ہے۔

## نظامِ زندگی کے لیے حکمران کی ضرورت :

اور فقہاء کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ امام اور والی و حاکم کا ہونا واجب اور ضروری ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ دین و دنیا کے امور کا کسی انتظام کے تحت سر انجام پانا شریعت کا مقصد ہے اور یہ مقصد کسی ذی وجاہت و اثر و رسوخ والے شخص کو حاکم بنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو اس لیے نصب امام واجب ہو گا۔

فقہاء کی اس بات کا پس منظر اور تفصیل یہ ہے کہ انسان کے لیے تنہا زندگی گذارنا دشوار ہے، وہ ایک معاشرتی مخلوق ہے جس کے لیے اسے اپنے ہم جنس دیگر انسانوں کے ساتھ مل کر رہنا پڑتا ہے۔ ایک طرف یہ اور دوسری طرف یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ ظلم کرنے اور دوسرے کے حق کو لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں کوئی ایسی قوت ہونی چاہیے جو ظلم کو روک سکے تاکہ دین و دنیا کا نظام صحیح و سالم رہے۔ اسکے علاوہ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ امام مقرر کرنے میں (اجتماعی مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے) محض پسند اور خواہش پرستی کی بنیاد پر امام مقرر کرنا درست نہیں۔ اور مقرر کیے جانے والے امام کے لیے کچھ صفات ایسی ہیں جن کا ہونا از حد ضروری ہے۔

اس کے بعد اگر امر واقعہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو امامت کی تمام شرائط اور اوصاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں علی الوجہ الاتم پائی جاتی تھیں اور اس دور میں کوئی دوسرا ان کے اس مقام پر پوری طرح فائز تو کیا ہوتا ان کے قریب قریب بھی نہیں تھا۔ اسی طرح اہل علم فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ افضل اور اعلیٰ شخص کے ہوتے ہوئے مفضول اور ادنیٰ کو خلفیہ اور امام بنانا درست نہیں،

البتہ ایک دو صورتیں اس ضابطے سے استثناء کی حامل ہیں۔ مثلاً

(۱) یہ کہ مفضول اور ادنیٰ شخص کو امامت و خلافت سے روکنے پر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) جو افضل اور اعلیٰ ہو وہ سیاست اور تدبیر سازی سے نابلد ہو یعنی اس میں انتظامی صلاحیتیں نہ ہوں۔

خلافت و امامت کے لیے افضل و اولیٰ کو مقدم کرنا کیوں ضروری ہے۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین یعنی "بخاری" و "مسلم" میں حدیث سقیفہ کے نام سے معروف ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ سقیفہ [۱۵] والے دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی امارت کے لیے پیش کرتا ہوں تم ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

كان والله أن أقدم فتضرب عنقي لا تقربني من ذلك إثم، أحب من أن أتأمر على قوم فيهم أبوبكر.

ترجمہ: خدا کی قسم! اگر مجھے سامنے لا کر میری گردن اڑا دی جائے اور مجھے ناحق قتل کر دیا جائے، اور مجھے کوئی گناہ نہ ہو، یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایسی قوم کی امارت سنبھالوں جس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔

---

۱۵۔ سقیفہ کا معنیٰ ہے "ڈیوڑھی": جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو انصار بنو سعد کے مکان کی ڈیوڑھی میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک امیر منتخب کرنے پر مشورہ کرنے لگے اتنے میں حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات پہنچ گئے اس کے بعد اگلی بات پیش آئی۔ اس وجہ سے اس حدیث کو سقیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ باقی اس عبارت میں جو احتمال ہے اسے شروع میں ذکر کیا جا چکا۔

یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے۔ ہم نے رسالے کے شروع میں اپنے اس جاہل (فریق مخالف) کے حوالے سے یہ بات ذکر کی تھی کہ ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ حدیث سقیفہ صحیح میں نہیں۔ حالانکہ جسے حدیث سے کچھ بھی مناسبت ہو وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

افضل کو امام و خلیفہ مقرر کرنے پر دوسری دلیل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر بھی ہے کیونکہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد کر دیا تو آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا اگر اللہ نے تم سے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کی بابت سوال کر لیا تو کیا جواب دو گے؟ حالانکہ تمہیں ان کی طبعیت کی سختی معلوم ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

أجلسوني! أبالله تخوفوني؟ أقول: اللهم استخلفت عليهم خير خلقك.

ترجمہ: مجھے بٹھا دو! کیا تم مجھے خدا کے نام کا ڈراوا دیتے ہو؟ اللہ نے اگر سوال کیا تو میں یہ جواب دونگا: یا اللہ! میں نے امت پر ان سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔

اسی طرح "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کے نصب و تقرر کا معاملہ چھ آدمیوں کی شوریٰ کے حوالے کر دیا تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اس شوریٰ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بطور مشیر شریک ہونگے البتہ امارت و خلافت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہو گا حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تو یزید جیسے اگر ہزار آدمی بھی اکٹھے ہو جائیں ان سے بہتر ہیں۔

ان تمام باتوں سے جب یہ واضح اور ثابت ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں

امارت وخلافت کے لیے افضل واولیٰ کو آگے اور مقدم سمجھا جاتا تھا تو اب کیا اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں خلافت وامارت کے زیادہ حقدار تھے۔ بلکہ یزید کے مقابلے میں تو وہ لوگ بھی زیادہ حقدار تھے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مرتبے میں کم تھے جیسے حضرت عبد الرحمان بن ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان چاروں حضرات میں سے ہر ایک ایسا ہے جس کو شرف صحابیت، اعلیٰ حسب ونسب، بہادری، صلاحیتیں اور تقویٰ کے علاوہ وافر علم بھی حاصل تھا اور یزید تو ان اوصاف میں سے کسی بھی وصف میں ان حضرات کے پاسنگ کا بھی نہیں، تو پھر آخر کس وجہ سے یزید خلافت کا زیادہ حقدار ہو گا۔ اور یزید کی بیعت پر نہ تو کوئی عالم راضی تھا اور نہ کوئی جاہل۔ آج بھی اگر کسی جاہل سے جاہل آدمی سے بھی پوچھا جائے کہ یزید اور حسین رضی اللہ عنہ میں سے کون بہتر تھا؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ حسین رضی اللہ عنہ بہتر تھے۔

## امارتِ یزید کی شرعی حیثیت

ان تمام باتوں سے معلوم ہو گیا کہ یزید کی خلافت وامارت زور زبردستی کی تھی اور لوگ جو اس پر خاموش رہے تو وہ صرف خوف کی وجہ سے ہو رہے تھے اور یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت نہ کرنے والوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس کے بعد جب انہوں نے اس کو اپنے لیے خطرہ سمجھا تو انہوں نے بیعت کر لی۔ ہمارے موصوف (عبد المغیث) صاحب کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت تو نظر آگئی لیکن ان کے ذہن سے یہ ذہول ہو گیا کہ یہ بیعت تو زور زبردستی کی تھی۔ اور جب اہل عراق نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے پر بیعت

کرنے کا کہا تو ان کا یہ خیال تھا کہ وہ زیادہ حق دار ہیں اور ان کو وہاں سے مدد کی توقع بھی تھی۔ لیکن انہوں نے امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ نیز یزید کو نااہل اور اپنے آپ کو اہل سمجھنے ہی کی بنا پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خلافت کا اعلان کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے یہ موصوف جائز و مستحق حاکم اور ناجائز حاکم کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں حالانکہ غیر مستحق پر تو صبر اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہاں مجبوری ہوتی ہے۔

## ظالم حکمران کی اطاعت کا مسئلہ :

ہمارے موصوف حمایت یزید میں وہ احادیث بھی کھینچ تان کر لائے ہیں جن میں حکمرانوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ حکمران ظالم ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے بعد اپنی تائید میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول بھی لائے ہیں جو یہ ہے:

أرى الغزو مع الأئمة وإن جاروا وأرى الصلاة خلف كل بر وفاجر وقد صلى ابن عمر خلف الحجاج.

ترجمہ: میرا خیال یہ ہے کہ اگرچہ حکمران ظالم بھی ہوں تب بھی ان کی معیت میں جہاد کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔

(مذکورہ بالا احادیث اور امام احمد رحمہ اللہ کی عبارت سے استدلال کے جواب میں) ہم کہتے ہیں:

ارے کم عقل آدمی! یہ تو مجبوری کی حالت میں جواز اور گنجائش کی بات ہے

یہی وجہ ہے کہ خود امام احمد رحمہ اللہ نے دوسری جگہ یوں فرمایا:

نسمع للبر والفاجر ولمن غلب بالسیف.

ترجمہ: ہم اپنے ہر اچھے بُرے حکمران کی بات سنیں گے اور ہر اس شخص کی جو بزور شمشیر غلبہ پالے۔

یہ ساری باتیں تو محض فتنے سے بچنے کے لیے ہیں (نہ یہ کہ ان کو صحیح سمجھنا ہے) خود صحابہ رضی اللہ عنہم حجاج جیسے ظالم شخص کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء وتکلیف پر مجبوری کی وجہ سے صبر کیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حجاج پر لعنت اور اس کے خلاف بدعا کیا کرتے تھے البتہ اس کے خلاف لڑائی سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ اس میں فتنے اور فائدے سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔ مازنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں تھا کہ وہاں سے حجاج کا گذر ہوا وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا اور پھر کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

اے ابو سعید! مجھے فلاں جگہ جانے کا حکم دیا گیا ہے اور گھوڑا اور اسلحہ بھی خریدنا ہے حالانکہ میرے پاس تنخواہ میں نہ تو گھوڑے کی گنجائش ہے اور نہ میرے اہل خانہ کا خرچہ ہے۔

اس شخص کی یہ (لجاجت بھری) بات سن کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی آنکھیں چھلک پڑیں، پھر فرمایا:

اللہ! ان حکمرانوں کا ستیاناس کرے انہوں نے بندگان خدا کو غلام، بیت المال کو جاگیر اور کتاب خدا یعنی قرآن مجید کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ شراب کو نبیذ کے نام سے حلال کر لیا ہے، ناحق مال لیتے ہیں اور

خدا کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، جب کوئی دشمنِ خدا آتا ہے تو اس کے لیے مال سے بھرے تہ خانے اور لدے ہوئے خچر ہوتے ہیں اور جب ان کا اپنا عام مسلمان بھائی آئے تو اسے آدھی رات کی تاریکی میں پیدل چلنا پڑتا ہے۔

ایک دفعہ حجاج نے خطبہ بہت طویل کر دیا حتی کہ عصر کا وقت نکلنے لگا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: الصلاة جامعة۔ یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ پھر اپنے آس پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا اور کہا:

بعث إليهم أخيفش أعيمش ملعون معذب.

ترجمہ: ان لوگوں کی طرف ایسا آدمی بھیجا گیا ہے جو چندھیائی آنکھوں والا، لعنتی اور عذاب کا مستحق ہے۔

پھر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور دیگر لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ حجاج کو مجبوراً خطبہ ختم کر کے اترنا پڑا۔ چنانچہ اترا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو اپنے ہاں طلب کیا لیکن انہیں کچھ کہہ نہ پایا۔ سعید بن یزید سے مروی ہے کہ ہم حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آکر یہ خبر دی اسے ابو سعید! حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لعنة الله على الحجاج الفاسق بن يوسف.

ترجمہ: حجاج بن یوسف فاسق پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہو۔

اشحث حدانی سے مروی ہے کہ میں نے حجاج بن یوسف کو خواب میں بڑی بری حالت میں دیکھا میں نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ تو اس نے جواب دیا میں نے جتنے بھی قتل کیے تھے ان میں سے ہر ایک قتل کے بدلے میں

مجھے قتل کیا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر مجھے آگ کا حکم سنایا گیا۔ میں نے کہا پھر؟ اس نے کہا پھر میں اب وہی امید رکھتا ہوں جو ہر کلمہ گو مسلمان رکھتا ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے مجھے اس کے بارے میں امید ہے (یعنی اللہ اسے ایک نہ ایک دن بخش دیں گے) جب یہ بات حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔ اونہوں!۔ اللہ ابن سیرین کی امید کو ہرگز پورا نہیں فرمائیں گے۔

عمرو بن عثمان اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا اور اس میں یہ فرمایا:

لا تستن بسنة الحجاج فانه كان يصلي الصلاة لغير وقتها ويأخذ الزكا ة في غير حقها وكان لما سوى ذلک أضيع.

ترجمہ: تم حجاج کے طریقے اور روش پر نہ چلنا کیونکہ وہ نماز بے وقت پڑھتا تھا اور زکوٰۃ ناحق وصول کرتا تھا اور ان دو باتوں کے علاوہ باقی امور کو تو اور بھی خراب کرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

لو أن الأمم تخابثت يوم القيامة فأخرجت كل أمة خبيثها ثم أخرجنا الحجاج لغلبناهم.

ترجمہ: اگر قیامت والے دن تمام امتیں خباثت میں باہم مقابلہ کرنا چاہیں اور ہر امت اپنے سب سے بڑے خبیث کو سامنے لائے اور ہم اپنے حجاج کو سامنے لائیں تو ہم ان سے بڑھ جائیں گے (کیونکہ حجاج سے بڑھ کر خبیث کسی کے پاس بھی نہ ہو گا)۔

## حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا طرزِ حکومت:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی حکام کو

ظلم کی وجہ سے ملامت کیا کرتے تھے اور ان کے والی ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے بیٹے عبد العزیز سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو والی بنایا گیا تو انہوں نے وہ تمام ناجائز اور ظلم کی چیزیں جو خود ان کے پاس تھیں یا ان کے اہل خانہ کے پاس تھیں ان کو ایک ایک کر کے واپس کر دیا جب یہ بات عمر بن ولید بن عبد الملک کو پہنچی تو اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو یہ خط لکھا:

إنک أزریت علی من قبلک من الخلفاء وسرت بغیر سیرتهم وخصصت أهل قرابتک بالظلم والجور.

ترجمہ: تم نے اپنے سے پہلے والے خلفاء کو بٹا لگا دیا (ان کی ساکھ خراب کر دی ہے) اور تم نے ان کے طریقے سے الگ طریقہ اپنا لیا ہے اور تم اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں پر ہی ظلم کرنے لگے ہو (یعنی جو مال وغیرہ واپس کیے ہیں)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس کو جواب لکھا:

أما أول شأنك ابن الوليد كما زعم فأمك بنانه كانت تطوف في سوق حمص ثم الله أعلم بما اشتراها ذبيان من فيء المسلمين فأهداها لأبيك فحملت بك فبئس المحمول وبئس المولود، ثم نشأت فكنت جبارًا عنيدًا أتزعم أني من الظالمين، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعملك صبيًا سفيهًا على جند المسلمين تحكم فيهم برأيك فويل لك وويل لأبيك ما أكثر خصومكما يوم القيامة وكيف ينجو أبوك من خصمائه؟ وإن أظلم مني أترك لعهد الله من استعمل الحجاج بن يوسف

يسفك الدم الحرام ويأخذ المال الحرام، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعمل قرة بن شريك أعرابيًا جافيًا على مصر، أذن له في المعازف اللهو والشرب، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من جعل لعالية البربرية سهمًا في خمس العرب، فرويدًا لو تفرغت لك ولأهل بيتك فوضعتكم على المحجة البيضاء فلطالما تركتم الحق وأخذتم في بنيات الطريق وما وراء هذا ما أرجو أن يكون رأيته بيع رقبتك وقسم ثمنك بين اليتامى والمساكين والأرامل فإن لكل فيك حقًا.

ترجمہ: اے ابن ولید! تمہاری ابتداء تو اس کے بارے میں جیسا کہ مشہور ہے کہ تمہاری ماں بنانہ (باندی) حمص کے بازار میں گھومتی تھی، وہاں سے ذیبان نے مسلمانوں کے مال غنیمت سے اس کو خرید کر تمہارے باپ کو ہدیہ کر دیا جس کے بطن میں تمہارا حمل ہوا یہ حمل بھی بُرا تھا اور یہ بچہ بھی بُرا تھا۔ پھر جب تم بڑے ہو گئے تو ظالم اور جابر قسم کے انسان بن گئے۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ظلم کر رہا ہوں حالانکہ میرے سے بڑا ظالم اور عہدِ خداوندی کو پس پشت ڈالنے والا تو وہ شخص ہے جس نے تیرے جیسے ناسمجھ بچے کو مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنا دیا چنانچہ تو وہاں اپنی من مانی کے فیصلے کرتا ہے تیرا بھی ناس ہو اور تیرے باپ کا بھی۔ قیامت والے دن تمہارے خلاف کتنے لوگ مدعی ہوں گے اور تمہارا باپ ان مدعیوں سے کیسے بچ پائے گا؟ اور میرے سے زیادہ ظالم اور عہدِ خداوندی کو توڑنے والا وہ شخص ہے جس نے حجاج بن یوسف جیسے شخص کو حکمران بنایا جو ناحق خون بہاتا پھرتا تھا اور مال حرام کھاتا تھا۔ اور سُن! میرے سے زیادہ وہ شخص ظالم اور عہدِ

خداوندی کو توڑنے والا ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے بے ننگ وعار دیہاتی کو مصر کا حکمران بنادیا اور اس کو گانے باجے لہود لعب اور شراب کی چھوٹ دیدی۔ اور میرے سے بڑھ کر تو وہ شخص ظالم اور عہدِ باری تعالیٰ کا تارک ہے جس نے (غالب بربریت کے لیے) عربوں کے خمس میں سے حصہ مقرر کیا۔

ٹھہر! تو صبر کر! اگر مجھے موقع ملا تو میں تم کو اور تمہارے گھر والوں کو کھلے اور واضح کر کے سب کے سامنے لاؤں گا۔

تمہیں حق چھوڑے ہوئے عرصے ہو گئے ہیں اور تم نے من مانی کے راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد میرا خیال یہ ہے کہ میں تم کو بیچوں اور تمہاری قیمت عام یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں میں تقسیم کر دوں کیونکہ (تم بیت المال کی باندی کی اولاد ہو لہذا) تمہاری ذات میں سب کا حق ہے۔

ابن شوذب کہتے ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے مال غنیمت پیش کیا گیا جن میں باندیاں بھی تھیں جب بھی کوئی باندی سامنے آتی تو ولید بن عبد الملک کا بیٹا عباس کہتا: امیر المؤمنین! اس باندی کو اپنے لیے رکھ لیں۔ جب اس نے بار بار یہی بات کہی تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اسے سختی سے کہا:

"تم مجھے زنا کا حکم دیتے ہیں؟"

اسکے بعد جب عباس وہاں سے باہر آیا تو لوگوں سے کہنے لگا: تم ایسے آدمی کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جس کا یہ خیال ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد زانی تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک موقع پر سلیمان بن عبد الملک سے فرمایا: کیا اس عورت کا حق تم اس کو نہیں دو گے؟ یعنی میراث وغیرہ، سلیمان نے کہا کون سی عورت؟ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: فاطمہ بنت

عبد الملک (حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی اہلیہ اور سلیمان کی بہن) اس کے جواب میں سلیمان نے کہا: کیا آپ کو امیر المومنین عبد الملک کی وصیت معلوم نہیں؟ جاؤ بھائی! وہ امیر المومنین کی تحریر لے کر آؤ اس تحریر میں یہ الفاظ تھے:

ليس للبنات شيئ.

ترجمہ: بیٹیوں کا میراث میں کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا:

إلى المصحف أرسلته؟

ترجمہ: کیا تم نے اسے قرآن پاک کے پاس بھی بطور شاہی فرمان بھیجا ہے؟ (یعنی قرآن بیٹیوں کا حق دینے کا کہتا ہے اور تم نے یہ کہا ہے، تو بہتر ہو تا کہ اپنا یہ پیغام اور وصیت قرآن کو بھی ارسال کر دیتے تا کہ وہ بھی اپنے حکم میں تبدیلی کر لیتا۔ نعوذ باللہ!)

جب سلیمان بن عبد الملک کی تدفین کا موقع آیا تو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور ان کے بیٹے سلیمان نے اس کو قبر میں اتارا۔ اس کی میت کو ان کے ہاتھوں میں جھٹکا لگا اور ایسے لڑکھڑائی تو اس کے بیٹے نے کہا (عاش والله أبي) ابھی میرا والد زندہ ہے تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کہا:

لا والله! ولكن عوجل أبوك.

ترجمہ: بخدا یہ جھٹکا اور حرکت زندگی کے آثار نہیں یہ تو تمہارے باپ کو ملنے والے عذاب کی پیشگی (قسط) ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

ما أصلي لله إلا دعوت على بني مروان.

ترجمہ: میں ہر نماز کے بعد بنو مروان کے لیے بد دعا کرتا ہوں۔

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خارجیت :

ہمارے موصوف اور فریق مخالف (عبد المغیث حنبلی صاحب) نے یہ بھی گل افشانی کی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی (باغی) تھے (نعوذ باللہ)۔

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ خارجی تو وہ ہوتا ہے جو کسی امام برحق کے خلاف خروج کرے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج تو باطل کو ختم کرنے اور حق کو قائم کرنے کے لیے تھا۔

میں نے ابن عقیل رحمہ اللہ کی اپنی تحریر نقل کی ہے جس میں یہ تھا کہ:

> ایک آدمی نے یہ کہا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خارجی تھے۔ اس سے میرے دل پہ چوٹ لگی۔ میں نے سوچا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے تو ان میں اتنی صلاحیت ہوتی کہ وہ نبی بن سکتے۔ چلو مان لیا حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا مرتبہ ابراہیم سے کم ہے حالانکہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں حضرات کو اپنا بیٹا فرمایا۔ چلو پھر بھی کیا آپ کے ان نواسوں میں اتنی صلاحیت بھی نہیں کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ اور امام بن سکیں۔

بہر حال! حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خارجی (باغی) کہنا اور بنو امیہ کے دبدبے کی وجہ سے انہیں امامت و خلافت کے استحقاق سے خارج کرنا، یہ ایک ایسا کام ہے جو دین و دانش کے تقاضوں کے بالکل مخالف ہے۔ ابن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

> ”جب تمہارے دل میں لوگوں کی بابت وفاداری اور اداء حقوق کا خیال اور توقع آئے تو اسے اپنے دل کا وہم سمجھو، کیوں کہ تمہاری کیا حیثیت ہے؟

یہ دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کے مخلوق پر سب سے زیادہ احسانات اور حقوق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ضلالت سے نکال کر شاہراہِ ہدایت پہ ڈالا، جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم سے روشناس کرایا، ناداروں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا، بے حیثیت لوگوں کو عزت و وقار عطا فرمایا پھر آخرت میں لوگوں سے اپنی شفاعت کا وعدہ فرمایا اور اس سب کچھ کے بعد صرف اتنا فرمایا: {قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى} [الشوری: ۲۳] ترجمہ فرمادیجیے: میں اس کام پر صرف رشتہ داری کے لحاظ اور محبت کا سوال کرتا ہوں۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا؟ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد کو شہید کیا۔"

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے یزید کی رعایت:

ہمارے فریق مخالف صاحب نے یہ بات بھی کہی ہے کہ تم یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے احترام اور لحاظ میں ہی کم از کم یزید کے بارے میں سکوت کرلو اور اسکے بارے میں کچھ نہ کہو۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں:

جب امام احمد رحمہ اللہ نے سکوت نہیں کیا، خلال چپ نہیں رہے، ان کے غلام ابو بکر عبد العزیز نے سکوت نہیں کیا، قاضی ابو یعلی نے خاموشی نہیں اختیار کی اور ان کے بیٹے ابو الحسین نے کف لسان سے کام نہیں لیا تو ہم کیوں کریں؟ حالانکہ ابو الحسین تو تمہارے استاذ اور شیخ بھی ہیں تم نے اپنے شیخ اور استاذ کی موافقت کیوں نہیں کی؟

اصل بات یہ ہے کہ تمہارے لیے ان کی موافقت و تائید کرنے میں دو باتوں میں سے ایک بات مانع اور رکاوٹ ہے۔ یعنی اس طرز عمل کی وجہ یا تو

تمہاری جہالت اور نادانستگی ہے۔ یا پھر اس کے پیچھے کوئی ایسی بات ہے جسے تم ہی بہتر جانتے ہو۔ (باقی رہی تمہاری اصل بات کہ اگر باپ اچھا ہو تو بیٹے کو کچھ نہ کہنا چاہیے تو یہ بالکل فضول بات ہے) کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب لوگوں کا اتفاق ہے اور ان کو تسلیم ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ یعنی دنیا میں ہی جنت کا پروانہ حاصل کرنے والے دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں۔ وہ بدری اور اصحاب شوریٰ میں سے بھی ہیں۔ اس کے باوجود جب ان کے بیٹے عمر کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیے گئے سلوک اور عمل کی بات آئی تو لوگوں نے باپ کی وجہ سے اس کے بارے میں سکوت اختیار نہیں کیا (اور دین تو ہر شخص کو اپنے کیے کا ذمہ دار بناتا ہے۔) اس میں محابات، رعایت اور لحاظ نہیں چلتا۔ (لاتزر وازرۃ وزر اخری)

## یزید کی سخاوت کا سہارا:

ان صاحب نے یزید کی حمایت اور طرفداری کے لیے بطور استدلال اور دلیل اس بات کو بھی پیش کیا کہ یزید سخی آدمی تھا، اس نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو چار ہزار درہم عطیہ کیے۔

لیکن ہم اس کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ تو تم نے نادان دوست کا کردار ادا کیا ہے کیونکہ تم نے جو بات اس کی مدح اور تعریف کے طور پر کی ہے وہ درحقیقت اس کی مذمت ہے کیونکہ یہ عطایا تو اس کے اپنے مال میں سے نہیں تھے بلکہ عامۃ المسلمین کے بیت المال سے تھے۔ جو آدمی ایسا کرے وہ قابل تعریف و توصیف نہیں ہوتا بلکہ قابل مذمت ہوتا ہے (اور یزید کا لوگوں کو دینا اس کی سخاوت کی وجہ سے تھوڑی تھا) وہ تو صرف اسی وجہ سے دیا کرتا تھا کہ لوگ

خاموش رہیں اور اس کے بارے میں کوئی بات نہ کریں۔

## یزید کے قرنِ ثانی میں ہونے سے استدلال :

ہمارے موصوف صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یزید قرن ثانی کا آدمی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

خیر کم قرني ثم الذین یلونهم.

ترجمہ: تمہارا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد کے لوگ۔

(اس بات کو عام طور سے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ یزید تابعی تھا)

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اس زمانے میں عمومی طور سے خیر کے غالب ہونے کا کہا ہے نہ کہ ہر ہر آدمی کے خیر ہونے کا، کیونکہ اس زمانے میں بھی فاسق وفاجر تو یقینی طور سے تھے۔ حجاج جیسا شخص بھی تو قرن ثانی ہی کا آدمی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ظالم اور معبد جہنی جیسے بدعتی لوگ بھی تو اس زمانے کے تھے تو کیا محض زمانے میں ہونے سے آدمی کی خیر پر استدلال کیا جاسکتا ہے؟ (خود قرآن کریم میں ہے:

{وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ} [التوبة: ١٠٠]

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی پیروی کی۔

یہاں اتباع بالاحسان کو شرف تابعیت کے لیے وصف لازم اور شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ گویا تابعی وہ ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہو اور اسلام کے تقاضوں پر اچھے طریقے سے کاربند اور عمل پیرا رہے۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ معارف کاندھلوی رحمہ اللہ)۔ اسی وجہ سے محدثین کے ہاں بھی صحابی میں تو اس کی ثقاہت

کے لیے صحابی ہونا ہی کافی ہے لیکن تابعین میں بالاتفاق ہر شخص کی ذاتی حالت دیکھ کر ہی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔)

## یزید اور تلاوتِ قرآن :

ہمارے ممدوح نے یزید کی حمایت کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ روایتوں میں آتا کہ کچھ لوگ یزید کے پاس گئے تو اس کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

(یہاں اصل کتاب کی عبارت مخطوطے میں نہ ہونے کی وجہ سے موجود نہیں۔ اور کتاب کا کوئی اور مطبوعہ نسخہ بھی دستیاب نہیں۔ لیکن اس اشکال کا جواب بظاہر یہی ہوگا کہ کسی ظالم وفاسق آدمی کے قرآن پڑھنے سے اگر اس کے صالح ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو پھر حجاج بن یوسف اور دیگر ظالم حکمرانوں کو بھی صالح ماننا پڑے گا کیوں کہ وہ لوگ ایک ایک جگہ پر کئی کئی پارے پڑھ جایا کرتے تھے۔ اور خوارج جو تھے ان کا تو صبح شام کا مشغلہ ہی قرآن کی تلاوت تھا، ان کے خیموں سے تلاوت کی آواز ایسے آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ پھر بھی ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ وہ ٹولہ اسلام سے ایسے نکل جائے گا جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ بہر حال کسی کے صرف قرآن پڑھنے سے اس کے صالح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (واللہ أعلم بمراد المصنف)

## دعائے خاتمہ :

آخر میں ہم اللہ کے حضور دعا گو ہیں کہ یا اللہ! خرد و دانش کو ہمارے لیے مفید اور کام کی چیز بنا اور ہمیں اہل بدعت اور خواہش پرستوں کی ہاں میں ہاں

ملانے سے محفوظ فرما۔ اللہ رب العزت ہی دعاؤں کو قبول کرنے اور سننے والے ہیں۔ تمام کی تمام تعریفیں اکیلے حق تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ رب العزت سیدنا وسید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور آپ کے آل رضوان اللہ علیہم اجمعین پر رحمت اور سلام نازل فرمائیں آمین۔

**اختتام ترجمہ :**

آج بروز سوموار بتاریخ ۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ بوقت چاشت اس ترجمے کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی جس کی ابتدا / ۱۰ صفر بروز ہفتہ ہوئی تھی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو قبول فرمائیں اور سیئات اور لغزشوں سے درگزر فرمائیں اور اخلاص کی دولت اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیں!

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی
علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

**شعیب احمد**

**دار الافتاء والتحقیق، چوبرجی پارک، لاہور**

## یزید کے بارہ میں اکابر علماءِ دیوبند کا مسلک وموقف

تمام اکابر علماءِ دیوبند فسقِ یزید کے قائل اور اس کے کفر میں توقف اور لعنت بھیجنے میں احتیاط برتتے ہیں۔

یزید کے بارہ میں یہ انتہائی معتدل عقیدہ ہے کیونکہ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، مدینہ منورہ ومسجدِ نبوی ﷺ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اشرافِ اُمت کا قتل جیسے دلخراش واقعات اِس کے دورِ حکومت میں پیش آئے اور جو لوگ حضرت اِمام حسینؓ اور اہل بیتؓ کے شہید کرنے میں شریک ہوئے اِن سے یزید نے کوئی انتقام بھی نہیں لیا اِس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا اِس کے اشارہ پر ہوا، اور یہ فاسق وفاجر والا عقیدہ بھی یزید کے بارہ میں اعتدال والا عقیدہ ہے ورنہ بعض اکابر اُمت تو اُس کے کفر کے قائل اور اُس پر لعنت کو جائز سمجھتے ہیں۔

(یزید اکابر علماءِ اہل سنت دیوبند کی نظر میں: ص، ۷۸)

# الرَّدُّ علَى المُتَعَصِّبِ العَنِيْدِ المَانِعِ مِنْ ذَمِّ يَزِيْد

تصنيف

المحدث الجليل المورخ العظيم ابو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي رحمه الله

بسم الله الرحمٰن الرحيم

## خطبة المؤلف:

(قال سيدنا ومولانا الشيخ الإمام العالم الأوحد الصدر الكبير، فريد عصره، ونسيج وحده، علامة وقته بكمال الملة والدين، شيخ الإسلام ناصر السنة، أبو الفرج عبد الرحمٰن بن محمد بن علي الجوزي الواعظ البكري قدس الله روحه ونور ضريحه).

الحمدلله الذي نجانا بالعلم (من موافقة الضلال والأهواء وسلمنا) من مرافقة الجهال الغوغاء، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له شهادة الموقنين العلماء وأن محمداً عبده ورسوله سيد المرسلين، وخاتم النبيين وعلى أهل بيته الطاهرين الفضلاء، وعلى أصحابه وأتباعه إلى يوم الحشر والجزاء وسلم.

## سبب التأليف:

سألني سائل في بعض مجالس الوعظ عن يزيد بن معاوية وما فعل في حق الحسين رضي الله عنه وما أمر به من نهب المدينة، فقال لي: (أيجوز أن يلعن؟) فقلت (يكفيه ما فيه) والسكوت أصلح فقال:(قدعلمت أن السكوت أصلح،ولكن هل يجوز لعنته؟) فقلت: (قد أجازها العلماء الورعون منهم أحمد بن حنبل)، فبلغ كلامي إلى شيخ قد قرأ أحاديث مروية ولم يخرج من العصبية العامية فأنكر ذلک وصنف جزءاً لينتصر فيه ليزيد. فحمله إلي بعض أصحابي، وسألني الرد عليه فقلت له: (ما زلت أعرف هذا الشيخ بقلة العلم والفهم وإنما يحدث من يفهم) أخبرنا عبد الرحمٰن بن محمد القزاز قال ثنا أبوالحسين بن النقور قال ثنا القاضي أبو عبد الله الحسين بن هارون الضبي قال ثنا أبوالحسين عبد الله بن محمد بن شاذان

قال ثنا محمد بن سهل بن الحسن ثنا أحمد بن سعيد الطائي ثنا يعقوب بن إسحاق قال: (الناس أربعة: رجل يدري ويدري أنه يدري فذاك عالم فخذوا عنه، ورجل يدري ولايدري أنه يدري فذاك ناسي فذكروه، ورجل لا يدري ويدري أنه لا يدري فذلك مسترشد فعلموه، ورجل لا يدري ولا يدري أنه لا يدري فذلك جاهل فارفضوه).

## عبد المغيث الحنبلي ومكانته العلمية:

وهذا الشيخ لا يعرف المنقولات ولا يفهم المعقولات لكنه يقرأ الحديث ولا يعرف صحيحه من سقيمه، ولا مقطوعه من موصوله، ولا تابعياً من صحابي، ولا ناسخه من منسوخه، ولا كيف الجمع بين حديثين ومعه عصبية عامية فإذا رأى حديثاً يوافق هواه تمسك به، وإن كان الفقهاء على خلافه.

## عدم معرفة علم الحديث:

وبيان أنه لا يعرف علم الحديث: أنه يحتج على أغراضه بأحاديث قد أسندها الكذابون، ولا يعرف الصادق من الكاذب وحدثني عنه عبد الرحمٰن بن عيسى الفقيه قال: (قال لي 'حديث السقيفة' ليس في صحيح). ومن يخفى عليه مثل هذا الحديث المشهور فإنه متفق على صحته كيف يقول أنه محدث؟ ولقد اجتمعت به يوماً فذكر مسلم بن يسار وقال (كان من كبار الصحابة) فزجرته عن هذا، وقلت: (ماقال هذا أحد إنما هو تابعي).

## الميل إلى التجسيم في الصفات:

ثم مالت به عصبيته إلى التشبيه فكتب إلي حديث الاستلقاء وقال: إن الله تعالى (لماخلق الخلق استلقى ووضع رِجلاً على رِجل) وقال: (هذا حديث يلزم البخاري ومسلماً إخراجه)، فقلت: (ويحك هذا حديث لا

يصح وما رضي أحمد بن حنبل ولا أبو داؤد ولا الترمذي إخراجه أصلاً. وله علة قد ذكرتها في كتابي المسمى بـ«منهاج الوصول إلى علم الأصول» وقلت له: (إني قد جمعت أخبار الصفات وميزت ما صح منها وما لا يصح)، فقال: (ما أردنا هذا لأن في بيان الحديث المردود إزراء على من رواه)، فقلت: (ويحك أو يحابي في الحق) فرأيت حاضراً كغائب.

## صفر اليدين في الفقه:

وأما كونه لا يعرف من الفقه شيئاً، فإنه روى أحاديث فقيل له إجماع الفقهاء على خلاف ذلك خصوصاً مذهبك، فقال: (لا يلزمني ما يقول الفقهاء).

وحدثني أبو طاهر بن الصدر الفقيه: (إن هذا الشيخ زوّج رجلاً فقال له: «زوجتك بحق وكالتي بنت أخي فلان»، فقال الفقيه: فلقيت الزوج فقلت له ما انعقد لك عقد ولا يحل لك قربان هذه المرأة لأن أبا هذه له أربع بنات، وهذا العاقد ما سمى الزوجة، فعجب الناس من عدم فهمه للفقه.

## طريفة علمية:

وذكرت بهذه الحكاية ما أنبانا به محمد بن ناصر الحافظ قال ثنا أحمد بن الحسن بن خيرون قال ثنا أحمد بن محمد العتقي قال ثنا أبو عمر بن حيويه قال ثنا سليمان بن إسحاق الجلاب قال ثنا إبراهيم الحربي قال: (بلغني أن امرأة جاءت إلى علي بن داؤد وهو يحدث وبين يديه (مقدار ألف نفس) فقالت له: حلفت بصدقة إزاري، قال: بكم اشتريته؟ قالت: باثنين وعشرين درهماً. قال: «اذهبي فصومي اثنين وعشرين يوماً»، فلما مرت، قال: آه، آه! غلطنا والله أمرناها بكفارة الظهار! .

## سوء أدب عبد المغيث بالإمام أحمد رحمه الله

ورأيت هذا الشيخ قد حفر لنفسه قبراً خلف هدف الإمام أحمد بن

حنبل. فقلت له: هذا لا يجوز لثلاثة أوجه:

أحدها: إن هذه الأرض للمسلمين أجمعين فليس لأحد أن يحوز منها موضعاً ليدفن فيه فهي بمثابة المسجد من سبق جلس.

والثاني: إن حول الإمام أحمد لايترك إلى هذا الزمان ونحن نرى القبور حوله بعضها على بعض وكم فيها من دفين فكيف حفرت هذا وقد قال رسول الله ﷺ: «كسر عظم الميت ككسره حياً» فقال: حفرت فلم أر عظماً، قلت تلك بلية لأن لها أكثر من ثلاثمائة سنة وبقي رضاضها المحترم فما يجوز ما فعلت.

والثالث: أنك إذا وضعت هذا القبر يكون رجلاك عند رأس أحمد إذ ليس بينكما سوى الهدف وهذا سوء أدب، أما علمت أن المروذي قال: «ادفنوني بين يديه كما كنت أجلس بين يديه» فلم يلتفت إلى ما قلت ومر يتبع هواه.

## سوء الفهم:

وأما سوء فهمه فحدثني محب الدين أبو البقاء الفقيه قال: (اجتمعت بعبد المغيث عند حجة الإسلام ابن الخشاب فجاء في الحديث: أن رجلاً نذر أن يحج ماشياً، فقال رسول الله ﷺ : «إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه»، فقال عبد المغيث كيف يقول: «إن الله غني عن تعذيب هذا نفسه» وقد كلفنا التكاليف! فجعلنا نتعجب من سوء فهمه إذ ظن حاجة الله تعالى إلى تكليفنا.

## الانتصار ليزيد الظالم:

ويكفي قلة علمه وسوء فهمه، ووقوعه مع العصبية العامية أنه تعصب ليزيد على الحسين رضی اللہ عنہ صنف فيه مصنفاً ينصر فيه يزيد وغضب عليّ إذ نصرت الحسين رضي الله عنه وذممت يزيد وقد أنشد لي شيخنا أبو الحسن بن الزاغواني قال: (كان أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه ينشد:

ولـو أني بـلـيـت بهـاشـمـي
خـولـتـه بـنـو عـبـد المـديـنـي
صـبـرت عـلى عـداوتـه ولـكـن
تـعـالـوا فـانـظـروا بـمـن ابـتـلاني

## اللعن على يزيد:

فقال لي صاحبي أفدني في بيان الصواب، والتفت إليّ لا إليه في الخطاب، فقلت: (لو قال هذا الشيخ: الأولى أن لا يضيع الزمان في ذم أحد ما خولف، فإنه قد قال: بعض الصالحين (لأن يخرج من صحيفتي لا إله إلا الله أحب إليّ من أن يخرج لعن الله إبليس). وأما إنكاره على من استجاز ذم المذموم ولعن الملعون فجهل صراح فقد استجازه كبار العلماء.

## الإمام أحمد واللعن على يزيد

منهم الإمام أحمد بن حنبل، وقد ذكر أحمد في حق يزيد ما يزيد على اللعنة. فأنبأنا أبو بكر محمد بن عبد الباقي البزاز عن أبي إسحاق البرمكي عن أبي بكر عبد العزيز بن جعفر قال ثنا مهنا بن يحيى قال: (سألت أحمد عن يزيد بن معاوية فقال: هوالذي فعل بالمدينة ما فعل؟ قلت: وما فعل؟ قال :نهبها. قلت فنذكر عنه الحديث قال: لا يذكر عنه الحديث، ولا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثاً. قلت: ومن كان معه حين فعل ما فعل؟ قال أهل الشام.

وذكر القاضي أبو يعلى محمد بن الحسين بن الفراء في كتابه (المعتمد في الأصول) عن أبي جعفر العكبري ثنا أبو علي الحسين بن الجنيد قال ثنا أبوطالب بن شهاب العكبري قال سمعت أبا بكر محمد بن العباس قال سمعت صالح بن أحمد بن حنبل يقول: قلت: (لأبي أن قوماً ينسبونا إلى

توالي يزيد. فقال يا بني! وهل يتولى يزيد أحد يؤمن بالله؟ فقلت: فلم لا تلعنه؟ فقال ومتى رأيتني ألعن شيئاً. ولم لا يلعن من لعنه الله في كتابه، فقلت: وأين لعن الله يزيد في كتابه؟ فقرأ {فَهَل عَسيتُم إِن تَوَلَّيتُم أَن تُفسِدُوا فِي الأَرضِ وتُقَطِّعُوا أَرحَامَكُم أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُم وَأَعمى أَبصَارَهُم} فهل يكون الفساد أعظم من القتل.

وصنف القاضي أبو الحسين محمد ابن القاضي أبي يعلى بن الفراء كتاباً فيه بيان من يستحق اللعن وذكر فيهم يزيد وقال (الممتنع من ذلك إما أن يكون غير عالم بجواز ذلك أو منافقاً يريد أن يوهم بذلك) وربما استفز الجهال بقوله «المؤمن لايكون لعاناً» قال وهذا محمول على من لا يستحق اللعن. فقلت: هذا من خط القاضي أبي الحسين وتصنيفه.

## فصل

## جواز اللعن المأخوذ من الأحاديث:

واعلم أنه قد جاء في الحديث لعن من فعل ما لا يقرب معشار عشر فعل يزيد. أنبا ابن حصين قال أنبا ابن المذهب قال أنبا أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي قال ثنا وكيع قال ثنا سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله قال: «لعن الله الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن». قال أحمد ثنا يحيى عن عبيد الله قال ثنا نافع عن عبد الله وهو ابن عمر قال: «لعن رسول الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة». قال أحمد ثنا ابن هشيم قال ثنا أبو بشرعن سعيد بن جبير عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ: «لعن من اتخذ شيئاً فيه روح غرضاً». هذه الأحاديث متفق على صحتها أخرجها «البخاري» و«مسلم» وأخرج عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه: «لعن المخنثين من الرجال

والمترجلات من النساء»، ومن حديث أبي جحيفة أن رسول الله ﷺ : «لعن الواشمة والمستوشمة، وآكل الربا وموكله، ولعن المصورين». وأخرج مسلم من حديث جابر قال: «لعن رسول الله آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه». أخبرنا ابن الحصين قال ثنا ابن المذهب قال ثنا أحمد بن جعفر قال ثنا عبدالله بن أحمد قال ثنا أبي ثنا محمد بن مسلمة عن محمد بن إسحاق عن عمرو بن أبن عمرو بن عكرمة عن ابن عباس قال: قال النبي ﷺ: «ملعون من سب أباه، ملعون من سب أمه، ملعون من ذبح لغير الله، ملعون من غير تخوم الأرض، ملعون من كمَّهَ أعمى عن طريق، ملعون من وقع على بهيمة، ملعون من عمل بعمل قوم لوط». قال أحمد ثنا وكيع قال ثنا عبد العزيز بن عمر بن عبد العزيز عن أبي طعمة مولاهم وعن عبد الرحمٰن بن عبد الله الغافقي أنهما سمعا ابن عمر يقول: قال رسول الله ﷺ: «لعنت الخمرة على عشرة وجوه لعنت الخمر بعينها وشاربها وساقيها وبائعا ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه وآكل ثمنها».

واعلم أن الأحاديث مجتمعة في هذا الباب كثيرة مثل: «لعن من تولى غير مواليه» و «لعن زوارات القبور» وغيرذلك.

## فصل

### ذكر ترتيب الكتاب:

وأنا أذكر من أحوال يزيد بن معاوية وكيف عقدت له الولاية وما جرى له في زمن ولايته مما ذكره أبو بكر بن أبي الدنيا ومحمد بن سعد صاحب «الطبقات» وأبو جعفر بن جرير وغيرهم من الأئمة، طرفاً مختصراً، ليعلم بأفعاله جواز ذمه ثم أتبع ذلك بما احتج به هذا الشيخ في نصره يزيد ومدحه وما يكاد أحد ينصح عن أحد إلا وهو محب له وقد

صح عن رسول الله ﷺ أنه قال : «المرء مع من أحب».

## فصل

### استخلاف يزيد:

في سنة ست وخمسين دعا معاوية الناس إلى بيعة يزيد من بعده وجعله ولي عهده وأمر المغيرة بن شعبة أن يمضي إلى الكوفة ويعمل في البيعة ليزيد ودعى بكتاب فقرأه على الناس باستخلاف يزيد إن حدث به حدث الموت.

وذكر محمد بن سعد في «الطبقات» أن معاوية قال للحسين ولعبد الله بن عمر وعبد الرحمٰن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير (إني أتكلم بكلام فلا تردوا علي شيئاً فأقتلكم فخطب الناس وأظهروا أنهم قد بايعوا ليزيد فسكت القوم ولم يقروا ولم ينكروا خوفاً منه.

أبنأنا أبو عبد الله يحيى بن الحسن بن النبا قال ثنا أبي قال ثنا علي بن محمد المعدل قال ثنا دعلج بن أحمد قال ثنا محمد بن علي الصايغ ثنا ابن عمر قال ثنا عبد الرزاق بن معمر عن الزهري قال (لما بايع معاوية لابنه يزيد بعث ببيعته إلى المدينة فخرج عبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الرحمٰن بن أبي بكر إلى مكة فبلغ ذلك معاوية فخرج يريد العمرة حتى قدم فدعاهم ثم رقى المنبر فعذرهم وأخبر الناس أنهم قد بايعوا فقام ناس من أهل الشام فقالوا أتأذن لنا فنضرب أعناقهم قال لا أسمعن هذه المقالة منكم).

## فصل

### انعقاد ولاية العهد ليزيد:

فلما دخلت سنة ستين أخذ معاوية على الوفد الذين وفدوا عليه مع عبيد الله بن زياد البيعة لابنه يزيد وعهد إلى ابنه يزيد حين مرض، فقال: (يابني إني وطأت لك الأشياء، وذللت لك الأعداء وإني لا أتخوف عليك

من هذا الأمر إلا أربعة نفر الحسين بن علي، وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الرحمٰن بن أبي بكر، فأما عبدالله بن عمر: فرجل قد وقذته العبادة وإذا لم يبق أحد غيره بايعك، وأما الحسين فإن أهل العراق لن يدعوه حتى يخرجوه فإن خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه فإن له رحماً ماسة، وأما ابن أبي بكر فليست له همة إلا في النساء واللهو فإن رأى أصحابه قد صنعوا شيئاً صنع مثلهم، وأما الذي يجثم لك جثوم الأسد ويراوغك مراوغة الثعلب فإذا أمكنته فرصة وثب فابن الزبير فإن هو فعلها بك فقدرت عليه فقطعه إرباً إرباً ).

وكان معاوية يقول لولا هواي في يزيد لأبصرت رشدي .

## فصل

### خلافة يزيد:

فلما مات معاوية كان يزيد غائباً فقدم فبويع له فكتب إلى الوليد بن عتبة واليه على المدينة خذ حسيناً وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير بالبيعة أخذاً شديداً ليست فيه رخصة حتى يبايعوا. فبعث الوليد إلى مروان حتى دعاه واستشاره، فقال أرى أن تبعث الساعة إلى هؤلاء النفر فتدعوهم إلى البيعة فإن فعلوا وإلا ضربت أعناقهم فدعى الحسين فطلب منه أن يبايع فقال: (ادع الناس وادعونا معهم فإن مثلي لا يبايع سراً) وخرج. وأما ابن عمر فقال: (إذا بايع الناس بايعت) ثم خرج إلى مكة. وأما ابن الزبير فوعدهم الغد وخرج من ليله، فتوجه نحو مكة، فبعث إليه أخوه عمرو بن الزبير أن يزيد بن معاوية قد حلف لا يقبل منك حتى يؤتى بك في جامعة من فضة فلم يلتفت إلى قوله.

# فصل

## خروج سيدنا حسين رضي الله عنه إلى الكوفة:

وخرج الحسين بأهله إلى مكة أيضاً، ووجه أهل الكوفة إلى الحسين يسألونه القدوم عليهم وقالوا نحن معك مائةُ ألفٍ.

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ أبو محمد بن السراج قال أنبأ أبو طاهر محمد بن علي العلاف قال أنبأ أبو الحسين ابن أخي ميمي قال ثنا أبو علي بن صفوان قال ثنا أبو بكر بن أبي الدنيا قال ثنا محمد بن صالح القرشي قال ثنا علي بن محمد القرشي عن يونس بن أبي إسحاق: قال: لما بلغ أهل الكوفة نزول الحسين بمكة وأنه لم يبايع ليزيد بن معاوية خرج منهم وفد إليه وكتب إليه سليمان بن صرد والمسيب بن نجبة ووجوه أهل المدنية يدعونه إلى بيعته وخلع يزيد وقالوا: (إنا تركنا الناس متطلعة أنفسهم إليك وقد رجونا أن يجمعنا الله بك على الحق وأن ينفي عنهم بك وما هم فيه من الجور فأنتم أولى بالأمر من يزيد الذي غصب الأمة فيها وقتل خيارها) فدعا مسلم بن عقيل وقال: (اشخص إلى الكوفة، قال فإن رأيت منهم اجتماعاً فاكتب إلي.

قال أهل السير: لما بعث الحسين مسلماً بلغ الخبر إلى يزيد فوَلَّى الكوفةَ عبيدَ الله بن زياد وكتب إليه يزيد: (بلغني أن الحسين توجه إلى العراق فضع عليه المناظر والمسالح واحترس واحبس على الظنة وخذ على التهمة).

وكتب مسلم بن عقيل إلى الحسين قد بايعني ثلاثة عشر ألفاً فعجل القدوم، فسار الحسين واخذ عبيد الله زياد مسلماً فقتله وكان الحسين قد وجه قيس بن مسهر إلى مسلم بن عقيل قبل أن يبلغه قتله وأخذه عبيدالله بن زياد وقال: (قم في الناس فاشتم الكذاب ابن الكذاب) يعني الحسين وصعد المنبر فقال: (أيها الناس إني تركت الحسين بالحاجر وأنا رسوله

إليكم يستنصركم فأمر به عبيد الله وطرح من فوق القصر فمات).

## في ساحة القتال:

ووصل الخبر إلى الحسين بقتل مسلم بن عقيل فهَمَّ أن يرجع وكان معه خمسةٌ من بني عقيل فقالوا: ترجع وقد قتل أخونا فسار إلى أن لقيته الخيل فقال: (ما جئتكم حتى أتتني كتبكم) فقالوا: (ماندري ما تقول)، فعدل إلى كربلاء وكان معه خمسة وأربعون فارساً ونحو مائة راجل، ثم إن عبيد الله بن زياد ولى عمر بن سعد بن أبي وقاص فقال له الحسين: إما أن تدعني فألحق بالثغور أو أنصرف من حيث جئت، أو ألحق بيزيد ) . فكتب عمر إلى عبيد الله بن زياد بذلك، فقال لا ولا كرامة حتى يضع يده في يدي فإن أبى فقاتله، فإن قتل فأوطئ الخيل صدره وانشد:

ألآن حين تعلقته حبالنا

يرجو الخلاص ولات حين مناص

فقال الحسين: (لا أضع يدي في يد عبيد الله أبداً، وقال الحسين لأصحابه: تفرقوا في هذا الليل في السوداء ودعوني) فقالوا: (لا والله لم ندعك حتى يصيبنا ما أصابك). فحالوا بينه وبين الماء، فقال:

«يا قوم أيصلح لكم قتلي؟ أيحل لكم دمي؟ ألست ابن بنت نبيكم؟ وابن ابن عمه، ولم يبلغكم قول رسول الله ﷺ : «في وفي أخي هذان سيدا شباب أهل الجنة» فإن صدقتموني، وإلا فاسألوا جابر بن عبد الله وأبا سعيد، وزيد بن أرقم .»

فقال شمر: (أنا عبد الله على حرف إن كنت أدري ماتقول ). وكان عمر بن سعد أول من رمى بسهم عسكر الحسين فخرج علي بن الحسين يقاتل ويقول:

أنـا عـلي بـن الحسـين بـن عـلي
نـحـن وبـيـت الله أولى بـالـنـبـي
مـن شـمـر وعـمـر وابـن الـدعـي

فطعنه رجل فقتله وهذا هو علي الأكبر، وجاء صبي من أولاد الحسين فجلس في حجره فرماه رجل منهم بسهم فوقع الصبي ميتاً.

## مقتل سبط الرسول ﷺ المحزن:

وطلب الحسين ماء يشربه فجيء بماء فهم أن يشربه فرماه حصين بن نمير بسهم فوقع في فيه فجعل يتلقى الدم بيده. ثم قتل أهل بيت الحسين وأصحابه وبقي وحيداً من الرجال فدافع عن نفسه فضربه زرعة بن شريك على كتفه وضربه آخر على عاتقه وحمل عليه سنان بن أنس فطعنه بالرمح في ترقوته ثم في صدره فوقع فنزل إليه فذبحه وحز رأسه، وقيل بل حز رأسه خولي بن يزيد . ووجدوا به ثلاثا وثلاثين جراحة، ووجدوا في ثوبه مائة وبضعة عشرخرقاً من السهام ثم انتهبوا ثيابه وثقله فأخذ سيفه القلافس النهشي وأخذ سراويله بحر بن كعب فتركه مجرداً وأخذ قطيفته قيس بن الأشعث وأخذ عمامته جابر بن يزيد وأخذ ملحفة فاطمة بنت الحسين وأخذ آخر حليها، ثم نادى عمر: من جاء برأسه فله ألف درهم، ثم قال عمر: من يوطئ فرسه الحسين؟فانتدب أقوام بخيولهم حتى رضوا ظهره. وبعث عمر برأسه عبيد الله بن زياد، وحمل النساء والصبيان، فلما مروا بالقتلى صاحت زينب بنت علي (يا محمداه، يا محمداه، هذا حسين بالعراء مزمل بالدماء مقطع الأعضاء، يا محمداه وبناتك سبايا وذريتك قتلى تسفى عليهم الصبا). فما بقي عدو ولا صديق إلا بكى، ثم أمر عبيد الله بن زياد أن ينصب رأس الحسين بعد أن طيف به بالكوفة، قال زر بن حبيش: (أول رأس رفع على خشبة رأس

الحسين). قال أنبأ ابن الحصين قال أنبأ ابن المذهب قال ثنا أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي وأخبرنا يحيى بن ثابت بن بندار قال ثنا أبي قال ثنا أبو بكر البرقاني قال ثنا أحمد بن إبراهيم الإسماعيلي قال ثنا عمران قال ثنا عثمان بن أبي شيبة قال ثنا حسين بن محمد قال ثنا جرير بن حازم عن محمد بن سيرين عن أنس بن مالك قال (أتي عبيدالله بن زياد برأس الحسين فجعل في طست فجعل ينكث عليه وقال في حسنه شيئاً، فقال أنس: إنه كان أشبههم برسول الله ﷺ وكان مخضوباً بالوسمة). أخرجه «البخاري» .

أخبرنا ابن ناصر قال ثنا ابن السراج قال ثنا أبو طاهر محمد بن علي العلاف قال ثنا أبوالحسين ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا أبوبكر بن أبي الدنيا قال ثنا علي بن مسلم قال ثنا سليمان بن حرب قال ثنا حماد بن زيد عن علي بن زيد عن أنس بن مالك قال: (شهدت ابن زياد حين أتي برأس الحسين فجعل ينكت بقضيب في يده على أسنانه، ويقول إنه كان لحسن الثغر، فقلت: أما والله لاسوئنك، لقد رأيت رسول الله ﷺ يقبل موضع قضيبك من فيه) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا عبد الرحمٰن بن صالح العتكي قال ثنا مهدي بن ميمون عن حرام بن عثمان الأنصاري عن سعيد بن ثابت عن مرداس عن أبيه عن سعيد بن معاذ وعمرو بن سهل أنهما حضرا عبيد الله بن زياد يضرب بقضيبه أنف الحسين وعينيه ويطعن به في فيه فقال له زيد بن أرقم: (ارفع قضيبك إني رأيت رسول الله ﷺ واضعاً شفتيه على موضع قضيبك)، فقال له: (إنك شيخ قدخرفت وذهب عقلك). فقال زيد: (لأحدثنك حديثاً هوأغلظ عليك من هذا، رأيت رسول الله ﷺ أقعد حسناً على فخذه اليمنى وحسيناً على فخذه اليسرى ثم وضع يده على يافوخ كل واحد منهما ثم قال:

[اللهم إني أستودعك أباهم وصالح المؤمنين ]

فكيف كانت وديعتك لرسول الله ﷺ) .

## كلام زينب بنت البتول رضي الله عنه:

قال ابن أبي الدنيا: وأخبرني أحمد بن عباد الحميري عن هشام بن محمد عن شيخ من الأزد قال: (لما دخل برأس الحسين وصبيانه وأخواته ونسائه على ابن زياد، لبست زينب بنت علي رضي الله عنها أرذل ثيابها وتنكرت وحفت بها النساء فقال عبيد الله من هذه؟ فلم تتكلم فقال ذلك ثلاثاً كل ذلك ولا تكلمه فقال بعض نسائها هذه زينب ابنة علي بن أبي طالب رضي الله عنه، فقال ابن زياد: الحمد لله الذي فضحكم وقتلكم وأكذب أحدوثتكم. فقالت زينب: الحمد لله الذي أكرمنا بمحمد ﷺ وطهرنا تطهيراً، لا ماتقول، إنما يفتضح الفاسق ويكذب الفاجر. قال: كيف رأيتِ صنع الله بأهل بيتكِ؟ قالت: كتب عليهم القتل فبرزوا إلى مضاجعهم وسيجمع الله بينك وبينهم فتحاكمون عنده) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا محمد بن صالح قال ثنا علي بن محمد شيخ من الأزد عن سليمان بن راشد عن حميد بن مسلم قال خطبنا عبيد الله بن زياد، فقال: (الحمد لله الذي أظهر الحق وأهله ونصر أمير المؤمنين وحزبه وقتل الكذاب ابن الكذاب وشيعته. فقام عبد الله بن عفيف الأزدي فقال: يا ابن مرجانة! إن الكذاب ابن الكذاب أنت وأبوك والذي ولاك.

ولما بلغ قتل الحسين إلى الحسن البصري بكى حتى اختلج منكباه وقال: (وا ذلاه لأمة قتل ابن دعيها ابن نبيها). وقال الربيع بن خيثم: (لقد قتلوا صبية لو جاء رسول الله من سفر لضمهم إليه ).

# فصل

## رأس الحسين رضي الله عنه يحمل إلى يزيد:

ثم دعا ابن زياد زحربن قيس فبعث معه رأس الحسين ورؤوس أصحابه إلى يزيد، وجاء رسول من قبل يزيد بأمر عبيد الله أن يرسل إليه بثقل الحسين ومن بقي بأهله.

أنبأ عبد الوهاب بن المبارك قال أنبأ أبو الحسين بن عبد الجبار قال أنبأ الحسين بن علي الطناجري ثنا خالد بن خراش قال ثنا حماد بن زيد عن جميل بن مرة عن أبي الوصني قال: (نحرت الإبل التي حمل عليها رأس الحسين وأصحابه فلم يستطيعوا أكلها كانت لحومها أمر من الصبر). فلما وصلت الرؤوس إلى يزيد جلس ودعا بأشراف أهل الشام فأجلسهم حوله ثم وضع الرأس بين يديه وجعل ينكت بالقضيب على فيه ويقول:

نفلق هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

أخبرنا محمد بن ناصر قال: أخبرنا جعفر بن أحمد بن السراج قال أخبرنا أبو طاهر محمد بن علي بن العلاف قال أخبرنا أبو الحسين ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا عبد الله بن محمد بن أبي الدنيا القرشي قال ثنا محمد بن صالح قال ثنا علي بن محمد عن خالد بن يزيد بن بشر السكسكي عن أبيه عن قبيصة ابن ذؤيب الخزاعي قال: قدم برأس الحسين فلما وضع بين يدي يزيد ضربه بقضيب كان في يده ثم قال:

نفلق هاما من رجال أعزة

علينا وهم كانوا أعق وأظلما

قال ابن أبي الدنيا وثنا إبراهيم بن زياد قال ثنا عبد العزيز بن عبد الله

ثنا عبد العزيز الدراوردي عن حرام بن عثمان عن أحد أحد أبناء جابر الأنصاري عن زيد بن أرقم قال: (كنت عند يزيد بن معاوية فأتي برأس حسين بن علي فجعل ينكت بالخيزران على شفتيه وهو يقول: نفلقن هاماً إلى آخره، فقلت له ارفع عصاك، فقال: تنهاني فقلت: أشهد لقد رأيت رسول الله ﷺ واضعاً حسناً على فخذه اليمنى، واضعاً يده اليسرى على رأس الحسين، وهو يقول: «اللهم أني استودعكهما وصالح المؤمنين»، فكيف كان حفظك يا يزيد وديعة رسول الله ﷺ ؟) .

قال ابن أبي الدنيا وثنا أبو الوليد قال ثنا خالد بن يزيد بن أسد قال ثنا عمار الدهني عن أبي جعفر قال: (وضع رأس الحسين بين يدي يزيد وعنده أبو برزة فجعل يزيد ينكت بالقضيب على فيه ويقول: (نفلقن هاماً ....) فقال له أبو برزة: ارفع قضيبك فوالله، لربما رأيت فاه رسول الله ﷺ على فيه يلثمه ).

قال ابن أبي الدنيا وثنا سلمة بن شبيب قال ثنا الحميدي عن سفيان قال سمع سالم بن أبي حفصة يقول: قال الحسن: (جعل يزيد بن معاوية يطعن بالقضيب موضع في رسول الله ﷺ وا ذلاه! قال سفيان وأخبرت أن الحسن قال في إثرهذا الكلام:

سمية أمسى نسلها عدد الحصى

وبنت رسول الله ليس لها نسل

أنبأ علي بن عبيد الله الزاغوني قال أنبأ محمد بن أحمد الكاتب قال أنبأ عبد الله بن أبي سعد الوراق قال ثنا محمد بن حميد قال ثنا محمد بن يحيى الأحمري قال ثنا ليث عن مجاهد قال: (جيء برأس الحسين بن علي فوضع بين يدي يزيد بن معاوية فتمثل بهذين البيتين:

لـيـت أشـيـاخـي بـبـدر شـهـدوا
جـزع الخـزرج مـن وقـع الأسـل
فـأهـلـوا واسـتـهـلـوا فـرحـا
ثـم قـالـوا إلي بـغـيـب لا تشـل

قال مجاهد: (نافق فيها ثم والله ما بقي في عسكره أحد إلا تركه أي عابه ولامه).

(قلت وهذه الأبيات لابن الزبعري) وهي:

لـيـت أشـيـاخـي بـبـدر شـهـدوا
جـزع الخـزرج مـن وقـع الأسـل
حـين ألـقـت بـقـبـاء بـركـهـا
واسـتـحر الـقـتل في عـبد الأشـل
وقـتـلـنـا الضـعـف مـن سـاداتهـم
وعـدلـنـا مـيـل بـدر فـاعـتـدل

وذلك أن المسلمين قتلوا يوم بدر خلقاً فقتلواهم يوم أحد خلقاً فاستشهد بها يزيد وكان غير بعضها ويكفي استشهاده بها خزياً.

## فصل

### اهل البيت عند يزيد:

ثم دعى يزيد بعلي بن الحسين والصبيان والنساء وقد أوثقوا بالحبال فأدخلوا عليه فقال له علي بن الحسين: يا يزيد ماظنك برسول الله ﷺ لو رآنا مقرنين بالحبال، أما كان يرق لنا؟ فقال له: يا علي أبوك الذي قطع رحمي ونازعني سلطاني فصنع الله به ما رأيت. ودعى بالنساء والصبيان، فأجلسوا بين يديه، فقام رجل من أهل الشام، فقال: يا أميرالمؤمنين: هب لي هذه؟

يعني فاطمة بنت علي وكانت وضيئة، فأرعدت وظنت أنهم يفعلون فأخذت بثياب أختها زينب، فقالت زينب: كذبت والله ما ذلك لك ولا له، فغضب يزيد لذلك فقال كذبت إن ذلك لي ولو شئت أن أفعله لفعلت، قالت: كلا والله ماجعل ذلك لك إلا أن تخرج من ملتنا أو تدين بغير ديننا.

## رجوعهم إلى المدينة المنورة:

ثم بعث بهم إلى المدينة وبعث برأس الحسين إلى عمرو بن سعيد بن العاص. وهو عامله على المدينة فتناول الرأس فوضعه بين يديه وأخذ بأرنبته، ثم أمر به فكفن ودفن عند قبر أمه فاطمة، هكذا قال محمد بن سعد.

وذكر ابن أبي الدنيا من حديث عثمان بن عبد الرحمٰن عن محمد بن عمر بن صالح أنهم وجدوا رأس الحسين في خزانة ليزيد فكفنوه ودفنوه بدمشق عند باب الفراديس. وعثمان ومحمد ليسا بشيء عند أهل الحديث والأول أصح.

أخبرنا ابن ناصر أبو محمد بن السراج قال أنبأ محمد قال أنبأ أبوطاهر بن العلاف قال أنبأ ابن أخي ميمي قال ثنا الحسين بن صفوان قال ثنا خالد بن يزيد قال ثناعماد الدهني عن أبي جعفرقال: (لماقدموا المدينة خرجت امرأة من بنات عبد المطلب ناشرة شعرها واضعة كمها على رأسها تلقاهم وهي تبكي وتقول:

ما ذا تقولون إن قال النبي لكم
ما ذا فعلتم وأنتم الآخر الأمم
بعترتي وبأهلي بعد مفتقدي
منهم أسارى و قتلى (ضر جوا) بدم
ما كان هذا جزائي إذ نصحت لكم
أن تخلفوني بسوء في ذي رحمي

وقال إبراهيم النخعي: (لوكنت ممن شايع على قتل الحسين ثم قيل لي ادخل الجنة لاستحيت أن يراني رسول الله ﷺ وقد فعلتُ ما فعلتُ). وذكر ابن أبي الدنيا أنه لما بلغ أم سلمة رضي الله عنها قتل الحسين قالت: (قتلوه ملأ الله قبورهم وبيوتهم ناراً) ثم وقعت مغشياً عليها .

أخبرنا أبو منصور القزاز قال ثنا أحمد بن علي بن ثابت قال ثنا ابن زرق قال ثنا أبو بكر محمد بن عمر الحافظ قال ثنا الفضل بن الحباب قال ثنا محمد بن عبد الله الخزاعي قال ثنا حماد بن سلمة عن عمار بن أبي عماد عن ابن عباس قال: (رأيت النبي فيما يرى النائم نصف النهار أشعث أغبر بيده قارورة، فقلت ما هذه القارورة؟ قال دم الحسين وأصحابه ما زلت ألتقطه منذ اليوم فنظرنا فإذا هو في ذلك اليوم قتل.

## سوء صنع يزيد واللعن على ما فعل:

قلت: ليس العجب من فعل عمر بن سعد، وعبيد الله بن زياد، وإنما العجب من خذلان يزيد وضربه بالقضيب على ثنية الحسين، وإعادته إلى المدينة وقد تغيرت ريحه لبلوغ الغرض الفاسد، أفيجوز أن يفعل هذا بالخوارج؟ أو ليس في الشرع أنهم يصلى عليهم ويدفنون؟ وأما وقوله: لي أن أسبيهم، فأمر لا يقنع لفاعله ومعتقده إلا اللعنة ولو أنه احترم الرأس حين وصوله وصلى عليه ولم يتركه في طشت ولم يضربه بقضيب ما الذي كان يضره وقد حصل له مقصوده من القتل، ولكن أحقاده الجاهلية ودليلها ما تقدم من إنشاده (ليت أشياخي ببدر شهدوا..... ).

# فصل

## وقعة حرة وسببها:

ولما دخلت سنة اثنتين وستين ولّى يزيد عثمان بن محمد بن أبي سفيان

المدينة فبعث إلى يزيد وفداً من المدينة، فلما رجع الوفد أظهروا شتم يزيد بالمدينة وقالوا: (قدمنا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر، و يعزف بالطنابير، ويلعب بالكلاب وإنا نشهدكم أنا قد خلعناه، وقال المنذر أما والله لقد أجازني بمئة ألف درهم وأنه لا يمنعني ما صنع إلي أن أصدقكم، والله إنه ليشرب الخمر وإنه ليسكرحتى يدع الصلاة، ثم بايعوا عبد الله بن حنظلة الغسيل وأخرجوا عثمان بن محمد عامل يزيد وكان ابن حنظلة يقول: «يا قوم والله ماخرجنا على يزيد حتى خفنا أن نرمي بالحجارة من السماء إن رجلاً ينكح الأمهات والبنات والأخوات ويشرب الخمر ويدع الصلاة والله لو لم يكن معي أحد من الناس لأبليت إليه فيه بلاء حسناً».

قال عبد الله بن عمرو وكان من الثقاة أتى أهل المدينة المنبر فخلعوا يزيد فقال عبد الله بن أبي عمرو بن حفص المخزومي: (قد خلعت يزيد كما خلعت عمامتي ونزعها عن رأسه وإني لأقول هذا وقد وصلني وأحسن جائزتي. ولكن عدو الله سكير) فبلغ الخبر إلى يزيد فبعث إلى مسلم بن عقبة وقال ادع القوم ثلاثاً فإن أجابوك، وإلا فقاتلهم فإذا ظهرت عليهم فأبحها ثلاثاً بما فيها من مال أو سلاح أو طعام فهو للجند فإذا مضت الثلاث فاكفف عنهم. فأباحها مسلم بن عقبة ثلاثاً يقتلون الرجال ويأخذون الأموال ويقعون على النساء، وكلمت امرأة مسلم بن عقبة في ولدها، وكان قد أسر، فقال: (قد أسر) فقال: (عجلوها فضربت عنقه). ثم دعى مسلم بالناس إلى البيعة ليزيد وقال بايعوا على أنكم خؤل له وأموالكم له، فقال يزيد بن عبدالله بن زمعة :(نبايع كتاب الله) فأمر به فضربت عنقه. وجيء بسعيد بن المسيب إلى مسلم فقالوا: بايع فقال: (أبايع على مسيرة أبي بكر وعمر) فأمر بضرب عنقه فشهد رجل أنه مجنون فخلي سبيله عنه .

وذكرمحمد بن سعد في «الطبقات» أن مروان بن الحكم كان يحرض

مسلم بن عقبة على أهل المدينة وجاء معه إلى أهل المدينة معيناً له حتى ظفر بأهل المدينة وانتهبها ثلاثاً فلما قدم مروان على يزيد شكر له ذلك وأدناه.

ذكر المدائني في كتاب الحرة عن الزهري أنه قال: (كان القتلى يوم الحرة سبع مائة من وجوه الناس من قريش والأنصار والمهاجرين ووجوه الموالي وممن لايعرف من عبد وحر وامرأة عشر آلاف.

أخبرنا محمد بن ناصر قال أخبرنا المبارك بن عبد الجبار قال أخبرنا أبو الحسن محمد بن عبد الواحد قال أخبرنا أبو بكر أحمد بن إبراهيم بن شاذان قال أخبرنا أحمد بن شبيبة البزاز قال ثنا أحمد بن الحارث الخزاز ثنا أبو الحسن المدائني عن أبي عبد الرحمٰن القرشي عن خالد عن عمته أم الهيثم بنت يزيد قالت: (رأيت امرأة من قريش تطوف فعرض لها أسود فاعتنقته وقبلته، فقلت يا أمة الله أتفعلين هذا بهذا الأسود؟ قالت: ابني وقع عليَّ أبوه يوم الحرة فولدتُّ هذا). وعن المدائني، عن أبي قرة قال هشام بن حسان: (ولدت ألف امرأة من أهل المدينة بعد وقعة الحرة من غير زوج ).

قلت: من أراد أن ينظر العجائب فلينظر إلى ما جرى يوم الحرة على أهل المدينة من إطلاق يزيد أصحابه في النهب والكتاب سماعنا من شيخنا أبي الفضل بن ناصر وهو أجزاء فلم نر التطويل.

## من أراد بأهل المدينة سوءً

قال أنبأ ابن الحصين قال أنبأ ابن المذهب قال أنبأ أحمد بن جعفر قال ثنا عبد الله بن أحمد قال ثنا أبي قال ثنا أنس بن عياض قال ثنا يزيد بن خصيفة عن عطاء بن يسار عن السائب بن خلاد أن رسول الله ﷺ قال: «من أخاف أهل المدينة ظلماً أخاف الله وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولا عدلاً ».

أنبأ عبد الأول قال أنبأ الداوردي قال أنبأ ابن أعين قال ثنا العزيزي

قال ثنا البخاري قال ثناحسين بن حريث قال ثنا الفضل بن جعيد عن عائشة قال سمعت سعداً قال سمعت النبي ﷺ يقول: «لايكيد أهل المدينة أحد إلا انماع كما ينماع الملح في الماء».

وقدأخرجه مسلم بمعناه: «لايريد أحد أهل المدينة بسوء إلا أذابه الله في النار دون الرصاص أو ذوب الملح في الماء». وأخرج مسلم من حديث أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال: «اللهم بارك لأهل المدينة في مدهم »، وقال: «من أراد بأهلها سوء أذابه الله كما يذوب الملح في الماء».

## بلادة عبد المغيث:

وقد زعم الخصم الأبله أن المراد بالحديث من أخافها بغير تأويل، وهذا الذي علمه هذا المغفل من معنى الحديث لا شك أنه خفي عن الإمام أحمد حتى قال أليس قد أخاف المدينة، وما علم أحد أنه كان بتأويل ثم يقدر أنه يجوز إخافتها لموضع الخروج عليه -وإن كان لنا في هذاكلام- أفيجوز أن يأمر بإباحتها ونهبها ثلاثاً؟ وقد ذكرنا أنه أمر بذلك، ثم أليس قد رضي بما جرى ولم ينكر؟ لا، بل شَكَرَ مروان بن الحكم على ذلك على ماسبق ذكره. وإن الاعتذار عن هذا أقبح منه.

# فصل

## هتك حرمة بيت الله الحرام:

كانت وقعة الحرة في يوم الأربعاء لليلتين بقيتا من ذي الحجة سنة ثلاث وستين، فلما دخلت سنة أربع وستين وقد فرغ مسلم بن عقبة من قتال أهل المدينة وإنهاب جنده أموالهم، سار متوجهاً إلى مكة لقتال ابن الزبير (فمات في الطريق فكان بين نهبه للمدينة وموته أيام. فلقد ذاب كما يذوب الملح في الماء)، وكان لحماقته المتوفرة يقول عند موته (اللهم إني لا أعمل عملاً قط بعد

شهادة أن لا إله إلا الله، أحب إلي من قتال أهل المدينة، ولئن دخلت النار بعدها إني لشقي)، (ثم دعى) حصين بن نمير السكوني فقال له: (أميرالمؤمنين ولاك بعدي فأسرع السير ولا تؤخر ابن الزبير إلا ثلاثاً حتى تناجزه)، فمضى حتى حاصر ابن الزبير وضيق عليه أربعة وستين يوماً جرى فيها قتال شديد، وقذفت الكعبة بالمنجنيق يوم السبت ثالث ربيع الأول، وأخذ رجل قبساً في رأس رمح فطارت به الريح فاحترق البيت فجاءهم نعي يزيد بن معاوية بهلال ربيع الأول. فكانت بين الحرة وبين موته ثلاثة أشهر فلقد ذاب كما يذوب الرصاص في النار كما روينا عن رسول الله ﷺ في حق من يقصد أهل المدينة بسوء، واقتصرنا على هذا النبذ لأن المقصود يحصل بها فمن أراد زيادة علم على ذلك فلينظر كتابي المسمى «المنتظم».

## فصل

### نظرة عابرة حول الاستدلال لنصرة يزيد:

فأما ما احتج به هذا الشيخ في «نصرة يزيد، فمن الحجج التي لايصح» أن تسمى شبهة.

### الجسارة على الإمام أحمد رحمه الله:

أنه قال: (ما ذكرتموه عن أحمد من أنه أجاز لعنة يزيد) واحتج بقوله (فَهَل عَسيتُم إِن تَوَلَّيتُم أَن تُفسِدُوا فِي الأَرضِ) بأنها نزلت في منافقي اليهود فكيف يجعلها أحمد عامة في أهل التوحيد، قلنا: مابلغ من أمرك أن ترد على أحمد، ثم جوابك على أحمد من ثلاثة وجوه:

أحدها: إن هذا إنما نقلتَه من تفسير مقاتل بن سليمان، ومقاتل كذاب بإجماع المحدثين لا يدري ما يقول.

قال وكيع: مقاتل بن سليمان كذاب.

قال السعدي: كان دجالاً جسوراً .

قال البخاري: مقاتل لاشيء البتة.

قال زكريا الساجي: كذاب متروك.

وقال الرازي: متروك الحديث.

وقال أبو عبدالرحمٰن النسائي: الكذابون المعروفون بوضع الحديث على رسول الله ﷺ أربعة: (إبراهيم بن أبي يحيى) بالمدينة، و(الواقدي) ببغداد، و(مقاتل بن سليمان) بخراسان، و (محمد بن سعيد) بالشام .

وقال ابن حنان: كان مقاتل يأخذ عن اليهود والنصارى علم القرآن الذي يوافق كتبهم، (كان شبهياً يشبه الرب بالمخلوقين) وكان يكذب مع ذلك (في الحديث) .

الثاني: أنا قد ذكرنا أن أحمد بن حنبل فسره بولاية المسلمين فكيف قدمت كلام مقاتل الكذاب على كلام أحمد؟ وأي ولاية لليهود؟.

الثالث: أنه لو نزلت في اليهود لم يضرنا لأن الحكم أعم من السبب فنزول الآية في حق قوم لايمنع من عموم حكمها والخطاب بها.

## الاستشهاد ببيعة ابن عمر رضي الله عنه ليزيد

قال هذا الشيخ كيف يظن بالإمام أحمد مع كونه يقول: «كيف أقول ما لم يقل» إنه يذهب عليه قولنا هذا الصحابة ابن عمر وأنه بايع يزيد، أفتراه يستجيز أن يعدل عن مافعل ابن عمر؟ قلنا: يا قليل العلم بالسير، قد ذكرنا أن أبن عمر لما سمع ببيعة يزيد هرب إلى مكة وأنه قيل له عند البيعة إن أنكرت قتلناك فبايع ضرورة.

## الاستمساك بسكوت الإمام أحمد رحمه الله:

قال هذا الشيخ فقد روى أبو طالب قال: (سألت أحمد بن حنبل عمن

قال: «لعن الله يزيد بن معاوية» فقال: لا نتكلم في هذا، الإمساك أحب إلي) والجواب: أن هذه الرواية لا تناقض الأولى، لأن هذه تدل على اشتغال الإنسان بنفسه عن ذكر غيره، والأولى تدل على جواز اللعنة كما قلنا في تقديم التسبيح على لعنة إبليس، وينبغي أن يعلم أن أبا بكر الخلال وصاحبه عبد العزيز والقاضي أبا يعلى وابنه أبا الحسين أعرف بالمذهب منك، وقد ذكرنا روايتهم وأخبارهم فإن كنت ما سمعت بذلك فاسمع وانظر في كتبهم ترى جواز ذلك وقد لعن أحمد بن حنبل من يستحق اللّعن، فقال أحمد في رسالة مسدد قالت: (الواقفة ملعونة والمعتزلة ملعونة)، وروى الخلال في كتاب السنة قال عبيد الله بن أحمد الحلبي سمعت أحمد بن حنبل يقول: (على الجهمية لعنة الله) وكان الحسن يلعن الحجاج ، وأحمد يقول الحجاج رجل سوء.

## الانتصار ليزيد من دعاء النبي ﷺ لمعاوية رضي الله:

قال هذا الشيخ قد قال النبيﷺ في حق معاوية: «اللهم اجعله هادياً واهد به». قال ومن كان هادياً لا يجوز أن يطعن عليه فيما اختار من ولاية يزيد. قلنا له اعرف أولاً صحة الحديث ثم ابن علية ولعلنا إن بيناه تظننا نتعصب على معاوية، ولكنا نوضحه للمستفيدين .

أخبرنا به علي بن عبيد الله الزاغوني قال أنبأ علي بن أحمد بن التستري قال أنبأ أبو عبيد الله بن بطة العكبري قال ثنا البغوي قال ثن محمد بن إسحاق قال أنبأ هشام بن عمار قال ثنا عبد العزيز بن الوليد سليمان القرشي عن أبيه أن عمر بن الخطاب ولى معاوية بن أبي سفيان فقالوا: ولى حديث السن، فقال: تلومونني وأنا سمعت رسول الله يقول: «اللهم اجعله هادياً واهد به».

وبطريق آخر أخبرنا علي بن عبيد الله قال أنبأ علي بن البشري قال أنبأ أبو عبيد الله بن بطة قال ثنا القافلاي وابن مخلد قالا ثنا محمد بن إسحاق قال ثنا يحيى بن معين قال ثنا أبو مسهر قال أنبأ سعيد بن عبدالعزيز عن

ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمٰن بن أبي عمرة قال: سمعت النبي ﷺ يدعو لمعاوية: «اللهم اجعله هادياً واهد به» .

مدار الطريقين على محمد إسحاق بن حرب البلخي، وكان كذاباً يبغض أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه، وكان قتيبة بن سعيد يذكره بأسوأ الذكر، ويقول حدثت أنه بالكوفة شتم أم المؤمنين فأرادوا أخذه فهرب، قال أبو علي صالح بن محمد الحافظ: (كان محمد بن إسحاق كذاباً يضع للكلام إسناد ويروي أحاديث مناكير).

وقال ابن حبان: (يأتي عن الثقات بما ليس من حديث الأثبات (كأنه المتعمد لها) لايكتب حديثه إلا للاعتبار.

قلت قد روي من طريق آخر: أخبرنا به أبو البركات بن علي قال أنبأ أبو بكر الطوسي قال أنبأ أبو القاسم الطبري قال ثنا علي بن عمر قال ثنا إسماعيل بن محمد قال ثنا عباس بن محمد قال ثنا أبو مسهر، فذكر نحوه قال الدار قطني: إسماعيل كذاب .

ثم ليس من ضرورة الدعاء الإجابة إذ لو وقعت في كل حال ما حرب صفين وتولية يزيد.

## فصل

### الاستدلال بقول بعض المحدثين:

حكى هذا الشيخ عن بعض المحدثين أنه قال: ولاية يزيد ثبتت برضى الأمة إلا خمسة: عبد الرحمٰن بن أبي بكر، وابن عمر، وابن الزبير، والحسين، وابن عباس.

والجواب: كيف رويت عن ابن عمر أنه ما رضي وأنت تحتج بأنه بايع فما يفهم، (وقدذكرنا أنه لما بايع معاوية ليزيد هرب ابن عمر إلى مكة ولما

مات معاوية وبويع يزيد هرب ابن عمر مرة أخرى إلى مكة وإنما بايع خوفاً على نفسه). واعلم أنه ما رضي ببيعة يزيد أحد فيمن يعول عليه حتى العوام أنكروا ذلك غير أنهم سكتوا خوفاً على أنفسهم والعلماء يحكمون بصحة الإمامة إذا وقعت قهراً لموضع الضرورة. وقد انعقد إجماع الفقهاء على أن الإمامة واجبة لأن انتظام أمر الدين والدنيا مقصود شرعاً ولا يحصل إلا بإمام مطاع فوجب نصب الإمام. وبيانه أن الآدمي لا بد أن يخالط جنسه، والطباع تقصد الظلم ولا بد من وزعة لتسلم الدنيا والدين. وأجمع العلماء على أنه لا يجوز التنصيص على إمام بالتشهي وأنه لابد له من صفات. وصفات الإمام وشروط الإمامة جمعها الحسين رضي الله عنه لا يقاربه فيها أحد من أهل زمانه، وقال الفقهاء ولا يجوز ولاية المفضول على الفاضل إلا أن يكون هناك مانع إما من خوف فتنة أو يكون الفاضل غير عالم بالسياسة ويدل على تقديم الأفضل أن في الصحيحين من حديث عمر «أن أبا بكر يوم السقيفة أخذ بيد عمر وبيد أبي عبيدة بن الجراح وقال قد رضيت لكم أحد هذين الرجلين فبايعوا أيهما شئتم، قال عمر: كأن والله أن أقدم فتضرب عنقي لاتقربني من ذلك إثم أحب من أن أتأمر على قوم فيهم أبوبكر». هذا حديث متفق على صحته وقد ذكرنا عن هذا الجاهل أنه قال حديث السقيفة ليس في الصحيح وما هذا قول من له أنس بالحديث.

ولما ولى أبو بكر عمر رضي الله عنهما دخل عليه جماعة فقالوا: (ما أنت قائل لربك إذا سألك عن استخلاف عمر وقد ترى غلظته؟ فقال: أبو بكر أجلسوني، أبالله تخوفوني؟ أقول: اللهم استخلفت عليهم خير خلقك.

وفي الصحيح أن عمر: (لما جعل الخلافة شورى في ستة قال يشهدكم ابن عمر وليس له من الأمر شيء). وقد كان ابن عمر خيرا من ألف مثل يزيد، وإذا ثبت أن الصحابة كانوا يطلبون الأفضل ويرونه الأحق، أفيشك

أحد أن الحسين أحق بالخلافة من يزيد لابل مَنْ هو دون الحسين في المنزلة كعبدا لرحمٰن بن أبي بكر، وعبد الله بن عمر، وعبد الله بن الزبير، وعبد الله بن عباس، وما في هؤلاء إلا من له صحبة ونسب ونجدة وكفاية وورع وعلم وافر لا يقاربهم يزيد في شيء من ذلك فبأي وجه يستحق التقديم؟ ومارضي ببيعة يزيد لا عالم ولا جاهل ولو قيل لأجهل الناس أيهما أصلح؟ الحسين أو يزيد؟ لقال: الحسين. فبان بما ذكرنا أن ولايته كانت قهراً، وإنما سكت الناس خوفاً، ومن جملة من خرج ولم يبايع ابن عمر فلما خاف على نفسه بايع فنظر هذا الشيخ إلى صورة المبايعة ونسي أنها كانت عن إكراه. ولما كتب أهل العراق إلى الحسين أن أقبل إلينا نبايعك رأى أنه الأحق وظن فيهم النصرة فخذلوه ولذلك تولى ابن الزبير الخلافة لأنه رأى أنه الأحق، وهذا الشيخ لايفرق بين والٍ مستحق وبين والٍ غير مستحق يصبر عليه ضرورة.

## فصل

### مبحث إطاعة الولاة الظلمة:

وساق هذا الشيخ أحاديث في وجوب الطاعة للأئمة وإن جاروا، وقال: قال أحمد بن حنبل: (أرى الغزو مع الأئمة وإن جاروا، وأرى الصلاة خلف كل بر وفاجر وقد صلى ابن عمر خلف الحجاج).

قلنا أيها القليل الفهم إنما جاز هذا لموضع الضرورة ولهذا، قال أحمد: (نسمع للبر والفاجر ولمن غلب بالسيف) كل ذلك حذراً من الفتن وكان الصحابة يصلون خلف الحجاج ويصبرون على أذاه ضرورةً، وكان الحسن البصري يلعن الحجاج ويدعو عليه وينهي عن قتاله لخوف الفتنة.

أخبرنا محمد بن ناصر قال أنبأ محمد بن علي بن ميمون قال أنبأ أبو عبد الله محمد بن علي الحسني قال أنبأ زيد بن جعفر بن حاجب قال ثنا أبو

محمد صالح بن وصيف البكائي قال ثنا محمد بن مسلم بن عثمان الأموي قال ثنا محمد بن سهل بن عمير المازني قال ثني والدي قال: (كنت في مجلس الحسن البصري إذ مر به الحجاج فجلس إليه ثم قام، فركب، فقام رجل، فقال يا أبا سعيد أمر ببعثي، وأخذت بفرس وسلاح،ولا والله ما في عطاي ثمن الفرس ولا نفقة عيالي، فأرسل الحسن عينيه بالبكاء ثم قال: ما لهم قاتلهم الله اتخذوا عباد الله خولا ومال الله دولاً، وكتاب الله دغلاً، واستحلوا الخمر بالنبيذ، يأخذون من غير حق وينفقون في سخط الله، فإذا أقبل عدو الله ففي سرادقات محفوفة وبغال زفافة، وإذا أقبل أخوه المسلم فضاو راجل). وخطب الحجاج فأطال الخطبة حتى خرج وقت العصر، فقال الحسن قوموا الصلاة جامعة ثم التفت إلى جلسائه، فقال بعث إليهم أخيفش أعيمش ملعون معذب فقام الحسن، وقام الناس فقطع الحجاج الخطبة ونزل فصلى بهم وطلب الحسن فلم يقدر عليه.

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ أبو عبد الله الحميدي قال أنبأ أبو عبد الله القضاعي و أبو القاسم الصميري قالا ثنا أبو مسلم الكاتب قال أنبأ ابن دريد قال ثنا أبو عثمان ابن مضر قال ثنا سعيد بن يزيد قال: كنا عند الحسن فجاءه رجل فقال : يا أبا سعيد قتل الحجاج سعيد بن جبير، فقال الحسن: لعنة الله على الحجاج الفاسق بن يوسف.

أخبرنا إسماعيل بن أحمد قال أنبأ عمر بن عبد الله قال أنبأ ابن بشران قال أنبأ عثمان بن أحمد قال ثنا حنبل قال ثنا هارون قال ثنا ضمرة قال ثنا ابن شوذاب عن أشعث الحدني قال: (رأيت الحجاج في منامي بحال سيئة فقلت ما صنع بك ربك؟ قال: ما قتلت أحداً قتلة إلا قتلني بها، قلت: ثم مه، قال: ثم أمرني إلى النار فقلت: مه قال ثم أرجوا ما يرجو أهل لا إله إلا الله). فكان ابن سيرين يقول: إني لأرجو له، فبلغ الحسن، فقال: أما والله

ليخلفن الله رجاءه يعني ابن سيرين.

أخبرنا محمد بن عبد الباقي قال أنبأ محمد بن أحمد قال ثنا أبونعيم أحمد بن عبدالله قال ثن محمد بن إبراهيم بن علي قال ثنا أبو عروبة قال ثنا عمرو بن عثمان قال ثنا أبي قال سمعت جدي قال: (كتب عمر بن عبد العزيز إلى عدي بن أرطاة لا تستن بسنة الحجاج، فإنه كان يصلي الصلاة لغير وقتها، ويأخذ الزكاة في غير حقها، وكان لما سوى ذلك أضيع.

قال أبو نعيم وحدثنا أبو محمد حامد بن جبلة قال ثنا محمد بن إسحاق قال ثنا محمد بن الصباح قال ثنا عبدالله بن رجاء عن هشام بن حسان قال: (قال عمر لو أن الأمم تخابثت يوم القيامة فأخرجت كل أمة خبيثها، ثم أخرجنا الحجاج لغلبناهم).

## سيرة عمر بن عبد العزيز في الخلافة:

وقد كان عمر بن عبد العزيز يذم أقاربه الولاة لظلمهم، ولم يمنعه كونهم ولاة. أخبرنا علي بن محمد بن أبي عمر الدباس قال أنبأ محمد بن الحسن الباقلاوي قال أنبأ عبد الملك بن بشران قال ثنا أبو بكر الآجري قال ثنا أبو عبد الله بن مخلد قال ثنا سهل بن يحي بن محمد المروزي قال أنبأ أبي عن عبد العزيز قال: (لما ولي عمر بن عبد العزيز جعل لا يدع شيئاً مما كان في يده وفي يد أهل بيته من المظالم إلا ردها مظلمة مظلمة، فبلغ ذلك عمر بن الوليد بن عبد الملك فكتب إليه: أنك قد أزريت على من قبلك من الخلفاء وسرت بغير سيرتهم، وخصصت أهل قرابتك بالظلم والجور فكتب إليه عمر: أما أول شأنك ابن الوليد كما زعم، فأمك بنانة، كانت تطوف في سوق حمص، والله أعلم بها، اشتراها ذبيان من فئ المسلمين، ثم أهداها لأبيك، فحملت بك فبئس المحمول وبئس المولود، ثم نشأت فكنت جباراً عنيداً، تزعم أني من الظالمين، وإن أظلم مني وأترك بعهد الله

من استعملك صبياً سفيهاً على جند المسلمين تحكم فيهم برأيك، فويل لك، وويل لأبيك، ما أكثرخصمائكما يوم القيامة وكيف ينجو أبوك من خصمائه، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعمل الحجاج بن يوسف يسفك الدم الحرام، يأخذ المال الحرام، وإن أظلم مني وأترك لعهد الله من استعمل قرة بن شريك إعرابياً جافياً على مصر أذن له في المعازف واللهو والشرب وإن أظلم مني، وأترك لعهد الله من جعل لغالبة البربرية سهماً في خمس العرب، فرويداً لو تفرغت لك، ولأهل بيتك وضعتكم على المحجة البيضاء، فطالما تركتم الحق وأخذتم في بنيات الطريق وما وراء هذه ما أرجو أن يكون رأيته بيع رقبتك، وقسم ثمنك بين اليتامى والمساكين والأرامل فإن لكل فيك حقاً.

أخبرنا إسماعيل بن الفضل قال أنبأ محمد بن هبة الله الطبري قال أنبأ محمد بن الحسين بن الفضل قال أنبأ عبد الله بن جعفر بن درستويه قال أنبأ يعقوب بن سفيان قال ثنا سعيد بن أسد قال ثنا ضمرة عن ابن شوذب قال عرض على عمر بن عبد العزيز جوارٍ وعنده العباس بن الوليد بن عبد الملك فجعل كلما مرت به جارية تعجبه، قال: (يا أمير المؤمنين اتخذ هذه) فلما أكثر، قال له عمر: (أتأمرني بالزنا)، قال: فخرج العباس فمر بأناس من أهله، فقال: (مايجلسكم بباب رجل يزعم أن آباءكم زناة).

قال يعقوب وثنا محمد بن أبي زكريا قال ثنا ابن وهب قال ثنا مالك (أن عمر بن عبد العزيز قال لسليمان بن عبد الملك: حق هذه المرأة ألا تدفعه إليها قال: وأي امرأة؟ قال: فاطمة بنت عبد الملك، قال سليمان: أو ما علمت وصية أمير المؤمنين عبد الملك قم يا فلان فائتني بكتاب أمير المؤمنين، وكان كتب أنه ليس للبنات شيء، فقال عمر: إلى المصحف أرسلته؟.

أخبرنا ابن ناصر قال أنبأ جعفر بن أحمد قال أنبأ أبو علي التميمي، قال

ثنا أبو بكر بن مالك قال ثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل قال ثنا أبي قال ثنا يزيد قال ثنا عبد الله بن يونس عن سيار بن الحكم: قال: (لما دخل سليمان بن عبد الملك قبره، أدخله عمر بن عبد العزيز وابنه سليمان، فاضطرب على أيديهما فقال ابنه: عاش والله أبي، فقال: لا والله ولكن عوجل أبوك).

أخبرنا محمد بن عبد الباقي قال ثنا أحمد بن محمد قال ثنا أبو نعيم الحافظ قال ثنا أحمد بن محمد بن سنان قال ثنا حاتم بن الليث الجوهري قال ثنا الحجاج قال ثنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد عن سعيد بن المسيب قال: (ما أصلي لله عزوجل إلا دعوت على بني مروان) .

## فصل

## هل كان خروج الحسين رضي الله عنه باطلا؟

قال الخصم قد ذهب قوم إلى أن الحسين كان خارجياً. قلنا إنما يكون خارجي لمن خرج على مستحق، وإنما خرج الحسين لدفع الباطل وإقامة الحق. ونقلت من خط ابن عقيل قال: قال رجل كان الحسين خارجياً فبلغ ذلك من قلبي، فقلت لو عاش إبراهيم ابن رسول الله ﷺ صلح أن يكون نبياً فهب أن الحسن والحسين (نزلا عن رتبة إبراهيم مع كون النبي) قد سماهما ابنيه، أفلا يصلح ولد ولده أن يكون إماماً بعده.

وأما تسميته خارجياً وإخراجه من الإمامة لأجل صول بني أمية. هذا ما لا يقتضيه عقل ولا دين، قال ابن عقيل: ومتى حدثتك نفسك بوفاء الناس فلا تصدق. هذا رسول الله ﷺ أكبر الناس حقوقاً على الخلق، هداهم وعلمهم وأشبع جائعهم وأعز ذليلهم ووعدهم الشفاعة في الآخرة وقال: (لا أَسأَلُكُم عَلَيه أَجرًا إِلَّا المَوَدَّةَ فِي القُربى) فقتلوا أصحابه وأهلكوا أولاده.

## السكوت عن ذم يزيد لأجل معاوية رضي الله عنه:

قال الخصم: هلا سكتم عن يزيد احتراماً لأبيه؟ قلنا ما سكت أحمد بن حنبل، ولا خلال، ولا غلامه أبو بكر عبد العزيز، ولا القاضي أبو يعلى، ولا ابنه أبوالحسن، وهو شيخك، فهلا وافقت شيخك وما ردعك عن موافقته إلا أحد أمرين: إما الجهل بالحال أو أن يكون المقصود خالف تعرف، ثم لا يختلف الناس أن سعد بن أبي وقاص من العشرة المشهود لهم بالجنة ومن أهل بدر ومن أصحاب الشورى وما سكت الناس عن ابنه عمر لما فعل بالحسين، فالدين لايحتمل المحاباة.

## استدلال بسخاوة يزيد:

واحتج هذا الشيخ بأن يزيد كان كريماً وأنه أعطى عبد الله بن جعفر أربعة آلاف ألف. قلنا ما مدحته به هو الذم لأنه تبذير في بيت مال المسلمين وليس بماله فمن فعل ذلك كان مذموماً لا ممدوحاً، و إنما كان يعطي الناس ليسكتوا عنه .

## إثبات تعديل يزيد بتلاوة القرآن

قال:فقد كان من القرن الثاني وقد قال رسول الله ﷺ «خيركم قرني ثم الذين يلونهم». قلنا إنما أشار ﷺ إلى عموم القرن لا إلى من يندر من الفساق وقد كان في القرن الثاني الحجاج وغيره من الظلمة ومن المبتدعة كمعبد الجهني.

قال: هذا الشيخ فقد روي أن قوماً دخلوا على يزيد وهو يقرأ في المصحف قلنا على هذا نقطع (.....) في جواب هذه الحجة.

نسأل الله عزوجل أن يمتعنا بعقولنا ويحفظنا من موافقة أهوائنا إنه قريب مجيب والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.